ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری رضوی

رضویات کے مؤسس اول

از

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

رضویات کے مؤسسِ اوّل

(ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب قادری رضوی)

۱۳۰۳ھ تا ۱۳۸۲ھ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

ناشر:

برکاتِ رضا فاؤنڈیشن،

میرا روڈ، ممبئی

نام	:	رضویات کے مؤسسِ اوّل
ازقلم	:	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
پیش نگاہ	:	
تقریظ	:	
کمپوزنگ	:	اعظمی گرافکس، ممبئی۔۹(9820983557)
تصحیح	:	مفتی محمد توفیق برکاتی، مولانا محمد ریحان انجم
ناشر	:	برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی۔
اشاعت	:	
قیمت	:	

Correspondence:

Dr. Ghulam Jabir Shams Misbahi

201 Gazala Galaxi, Near: Kurnal Shoping Complex, Naya Nagar,

Mira Road (E), Mumbai - 401107

Ph: 022 - 56293619 - 09869328511

E-mail: ghulamjabir@yahoo.com

فہرست

☆ انتساب
☆ پیش نگاہ
☆ تقدیم
☆ ملک العلماء: ماہ وسال کے آئینے میں
☆ ملک العلماء: مکتوباتِ رضا کی روشنی میں
☆ ملک العلماء کی اوّلیات: ایک چشم کشا تحریر
☆ ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ
☆ ملک العلماء کے تلامذہ پر ایک نظر
☆ فنِ مناظرہ میں ملک العلماء کا مقام
☆ ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں
☆ علامہ عبدالحکیم شرف قادری
☆ مفتی عبدالقیوم ہزاروی
☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
☆ ڈاکٹر حسن رضا خان
☆ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
☆ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

انتساب

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی
حجۃ العصر حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی
کے نام

جنہوں نے ملک العلماء جیسے محدثِ عصر، فقیہِ دہر، مفسرِ وقت، مناظرِ لامزاحم، ماہرِ ہیئت وتوقیت، خطیبِ بلا رقیب، مصنفِ بے مثیل، مترجمِ بے عدیل، مرشدِ قانع کو اپنے بعد قوم وملت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے پیدا کیا۔

وہی ملک العلماء جن کی کتابِ حیات اور تصنیفات ہر دور کے علما وفضلا کی علمی راہ نمائی کرتی رہیں اور کرتی رہیں گی۔

خاکپائے درویشانِ علم
غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
بن قاضی عین الدین رشیدی

ملک العلماء ماہ وسال کے آئینے میں

(۱)	ولادت: بوقتِ صبح صادق بمقام رسول پور، میجر، ضلع پٹنہ (حال نالندہ)	۱۰ / یا ۱۴ / محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹/۱ اکتوبر ۱۸۸۰ء
(۲)	رسم بسم اللہ خوانی	۱۳۰۷ھ
(۳)	مدرسہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں داخلہ	۱۳۱۲ھ
(۴)	مدرسہ حنفیہ لودی کٹرہ پٹنہ سٹی میں داخلہ	۲۵ / جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ
(۵)	کان پور کی دینی درس گاہوں میں حاضری	شوال ۱۳۲۰ھ
(۶)	مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضری	۱۳۲۰ھ
(۷)	بریلی میں امام احمد رضا سے درس واکتساب	۱۳۲۲ھ
(۸)	جامعہ منظر اسلام بریلی کے قیام کی تحریک وتجویز	۱۳۲۲ھ
(۹)	پہلا فتویٰ جس کو امام احمد رضا نے دیکھا اور انعام دیا	۸ / رمضان ۱۳۲۲ھ
(۱۰)	اعلیٰ حضرت سے عروض المتاح، مقاماتِ حریری، میر زاہد، رسالہ ملاّ جلال، بخاری شریف، نسائی شریف، جبر ومقابلہ، مساحت، اقلیدس کا درس لیا۔	۱۳۲۲ھ

(۱۱)	دیوان متنبّی، وصول، حمداللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمنی، تصریح، شرح چغمنی، سبع شداد، مسلم الثبوت کا درس لیا۔	۱۳۲۳ھ
(۱۲)	الحسام المسلول علی منکر علم الرسول، مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ظفر الدین الجیّد، ظفر الدین الطیّب، مختلف اہم فتاوے۔	۱۳۲۳ھ
(۱۳)	سبعہ معلقہ، مقامات ہمدانی، صدرا، شمس بازغہ، ہدایہ اخیرین، شرح عقائد نسفی مع خیالی، مسلم شریف کا درس لیا۔	۱۳۲۴ھ
(۱۴)	شفا شریف کی شرح بزبانِ عربی، مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ کی تالیف و مجموعہ فتاویٰ	۱۳۲۴ھ
(۱۵)	التوضیح والتلویح، بیضاوی شریف، شرح مواقف، اُمور عامہ، عبد العلی، میر زاہد، ابو داؤد، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، طحاوی شریف، درمختار کا درس لیا۔	۱۳۲۵ھ
(۱۶)	فراغت و دستار فضیلت: بمقام خانقاہِ مخدوم عالم مخدوم عبدالحق ردولوی بموقع عرس بدست سجادہ نشین مخدوم شاہ التفاف احمد رودلوی شریف بموجودگی امام احمد رضا۔	شعبان ۱۳۲۵ھ
(۱۷)	خلافت واجازتِ عامہ وتامہ، ملک العلماء، فاضلِ بہار کا لقب	۱۳۲۵ھ

(۱۸)	درسِ نظامیہ کی فقہی کتاب 'القدوری' پر تعلیق، اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد کی تالیف اور اجرائے فتاویٰ	۱۳۲۵ھ
(۱۹)	آغازِ تدریس در مدرسۂ منظر اسلام بریلی بحکم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا	شوال ۱۳۲۵ھ
(۲۰)	بحیثیت مناظر علاقہ میوات، فیروز پور جھرکا میں شرکت	۱۳۲۶ھ
(۲۱)	شکست سفاہت، بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ، الفیض الرضوی فی تکمیل العمری جیسے رسائل کی تالیف	۱۳۲۶ھ
(۲۲)	تدریس وافتا اور المجمل العدلتالیفات المجدد کی تالیف	۱۳۲۷ھ
(۲۳)	تدریس وافتا اور سجم الکنز ہ علی کلاب المطرہ کی تالیف	۱۳۲۸ھ
(۲۴)	تدریس وافتا اور النبراس لدفع ظلام المنہاس کی تالیف	۱۳۲۹ھ
(۲۵)	حاجی عبد الرزاق رضوی و دیگر معززین شملہ کے بے حد اصرار اور امام احمد رضا کی اجازت سے بحیثیت خطیب جامع مسجد شملہ روانگی	۱۳۲۹ھ
(۲۹)	قریب اسی سال مدرسہ حنفیہ آرا، بہار میں تشریف آوری	۱۳۲۹ھ
(۳۰)	مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحیثیت صدر مدرّس تقرر	۱۳۳۰ھ
(۳۱)	الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت المعروف بہ توضیح التوقیت کی تصنیف	۱۳۳۰ھ
	التحقیق المبین لکلمات التوبین، اطیب التکسیر کی تالیف	۱۳۳۰ھ
(۳۲)	مشہور کتاب 'مغنی اللبیب' کی جملہ شروحات پر تعلیقات	۱۳۳۱ھ

(۳۳) رفع الخلاف من بین الاحناف کی تالیف ۱۳۳۲ھ
القول الاظہر فی الأذان بین یدی المنبر کی تالیف ۱۳۳۲ھ
(۳۴) خیر السلوک فی نسب الملوک، نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ، جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان ۱۳۳۳ھ
(۳۵) مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے مدرسہ کبیریہ سہسرام روانگی، بحیثیت صدر مدرّس، حسب فرمائش سید شاہ ملیح الدین سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام ۱۳۳۴ھ
(۳۶) بریلی سے بغرض مناظرہ کلکتہ روانگی، باجازت امام احمد رضا حسب فرمائش حضرت الحاج محمد لعل خاں مدراسی ۱۳۳۴ھ
(۳۷) گنجینۂ مناظرہ، کشف الشورعن مناظر رام پور کی تالیف، تسہیل التعدیل کی تبییض ۱۳۳۴ھ
(۳۸) علمِ صرف میں 'عافیہ' علمِ نحو میں 'وافیہ' علمِ منطق میں 'تقریب' علمِ فلسفہ میں 'تذہیب' علمِ ہیئت وتوقیت میں 'مؤذن الاوقات' اور 'بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ و الصیام' کی تصنیف وتالیف ۱۳۳۵ھ
(۳۹) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوّۃ و الباب کی تالیف، مغنی اللبیب کی تشریح بنام 'القصر المبنی علی بناء المغنی' ۱۳۳۶ھ
(۴۰) پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد کی پیدائش ۱۳۳۶ھ

(۴۱)	نظم المبانی فی حروف المعانی، تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار، الاکسیر فی علم التکسیر جیسے رسائل و کتب کی تالیف وتصنیف	۱۳۳۷ھ
(۴۲)	علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب 'شرح الصدور' کا ترجمہ اور 'ندوۃ العلما' کی تالیف	۱۳۳۸ھ
(۴۳)	مدرسہ خانقاہِ کبیریہ سہسرام سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں دوبارہ تقرر بحیثیت سینئر مدرّس	۱۳۳۸ھ
(۴۴)	پرنسپل کے عہدے پر سرفراز ہوئے	۱۹۴۸ء
(۴۵)	تقریباً ۳۰؍سالہ خدمات کے بعد متقاعد ہوئے	۱۹۵۰ء
(۴۶)	ظفر منزل ایک دانش کدہ، ایک تربیت گاہ، ایک دارالتصنیف والارشاد، اس دور کی خدمات گونا گوں ہیں	
(۴۷)	ہادی الہداۃ لترک الموالات کی تالیف	۱۳۳۹ھ
(۴۸)	بریلی میں ضروری اجلاس میں شرکت کی دعوت	شعبان ۱۳۳۹ھ
(۴۹)	توضیح الافلاک معروف بہ سلّم السماء کی تصنیف	
(۵۰)	اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام کی تصنیف	۱۳۴۱ھ
(۵۱)	نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی	۱۳۴۲ھ
(۵۲)	الافادات الرضویۃ کی ترتیب	۱۳۴۴ھ
(۵۳)	الجامع الرضوی لصحیح البہاری کی تالیف	۱۳۴۵ھ
(۵۴)	دلچسپ مکالمہ	۱۳۴۷ھ
(۵۵)	تسہیل الوصول الی علم الاصول کی ترتیب	۱۳۴۸ھ

(۵۶)	نافع البشر فی فتاویٰ ظفر کی ترتیب	۱۳۴۹ھ
(۵۷)	تنویر السراج فی بیان المعراج کی ترتیب	۱۳۵۳ھ
(۵۸)	تنویر السراج فی بیان المعراج، نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب کی تالیف وترتیب	۱۳۵۴ھ
(۵۹)	تنویر السراج فی بیان المعراج کی ترتیب	۱۳۵۵ھ
(۶۰)	تنویر السراج فی بیان المعراج کی ترتیب	۱۳۵۶ھ
(۶۱)	تنویر السراج فی بیان المعراج، الانوار الامعۃ من الشّمس البازغۃ، الفوائد التامۃ فی اجوبۃ الامور العامۃ، جامع الاقوال فی رویۃ الہلال	۱۳۵۷ھ
(۶۲)	مشرقی اور سمتِ قبلہ	۱۳۵۸ھ
(۶۳)	مولودِ رضوی کی ترتیب	۱۳۶۰ھ
(۶۴)	تحفۃ العظما فی فضل العلما کی تصنیف	۱۳۶۵ھ
(۶۵)	سر الانوار المہاجری بہار کی تالیف	۱۳۶۶ھ
(۶۶)	چودہویں صدی کے مجدد کی تالیف	۱۳۶۷ھ
(۶۷)	حیاتِ اعلیٰ حضرت کی تالیف	۱۳۶۹ھ
(۶۸)	تنویر المصباح عند حی علی الفلاح	۱۳۷۱ھ
(۶۹)	جامعۂ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں تشریف آوری	۱۳۷۱ھ
(۷۰)	جامعۂ لطیفیہ کٹیہار سے واپسی	۱۳۸۰ھ

(۷۱) وفات	۱۱/جمادی الاخری ۱۳۸۲ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء
(۷۲) حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی ابدالی نے نماز جنازہ پڑھائی	
(۷۳) شاہ گنج قبرستان درگاہ شاہ ارزاں میں تدفین، جہاں ہر سال ان کے اعزہ واقربا فاتحہ خوانی وعرس کا اہتمام کرتے ہیں۔	

afselslam
ing The True Teachings Of Quran & Sunnah

پیش نگاہ

رضویات کے مؤسّسِ اوّل سامنے ہے۔ یہ کوئی مستقل کتاب ہے، نہ کوئی مربوط مقالہ۔ یہ ان مضامین کی محض یکجائی ہے، جو ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۸ء تک لکھے گئے ہیں۔ یہ مضامین رسائل و جرائد میں چھپتے رہے، قارئین شوق، ذوق سے پڑھتے رہے اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے رہے۔ دعاؤں، نیک خواہشات کا اظہار کرتے رہے۔ ان مضامین کا محور، مرکزی خیال رضویات کے مؤسّسِ اوّل ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی شخصیت، علمیت، اولیت، مرجعیت ہے۔ ان کی گونا گوں خدمات ہیں۔ بوقلموں علمی، فنی تصنیفات کا موضوعاتی جائزہ ہے، وہ بھی اجمالاً۔ یہ ایک موجزن علمی سمندر کے چند قطرے ہیں، اس سمندر کی گہرائی تک رسائی کسی غوّاص کا کام ہے۔ اپنی وہ بساط نہ تب و تاب، سمندر کے کنارے سیپی چننے والا جو محنت کرتا ہے، اپنی تگ و تاز بھی اسی کے مرادف ہے یا اس سے بھی کمتر، اس سے زیادہ اس بے بس میں ہے بھی کیا؟ جو کچھ ہے، فضلِ الٰہ ہے، حاضر ہے۔

اس یکجائی کی تقریب یوں ہوئی، میرا ایک مضمون ''ملک العلماء کی اولیات--ایک چشم کشا تحریر'' روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی میں ۴؍جولائی ۲۰۰۸ء کو چھپا، قارئین نے پڑھا، اہلِ نظر نے فون کیے، خطوط لکھے، دعاؤں سے نوازا، اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔ یہ سلسلہ ممبئی، اطرافِ ممبئی، بھیونڈی، کلیان، مالیگاؤں، اورنگ آباد، پونہ، شولاپور، گلبرگہ، ناگپور تک دراز تھا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ مذکورہ مضمون ماہ نامہ جام نور دہلی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء میں چھپ کر جولائی ہی میں حلقۂ علم تک پہنچا۔ پھر اظہارِ پسندیدگی کا سلسلہ مہاراشٹرا سے نکل کر اطرافِ ہند تک پھیل گیا۔ خود دہلی، لکھنؤ، اعظم گڑھ، علی گڑھ، پٹنہ، کلکتہ، مدھیہ پردیش،

راجستھان، لاہور، بہاول پور، کراچی، حتی کہ انگلینڈ سے فون آیا۔ ہر ایک کی زبان پر کلماتِ تحسین ہی ہے۔ بہتوں نے کہا: 'صحیح البہاری' ہے کہاں، اس پر کام ہونا چاہیے، وہ جماعتِ اہلِ سُنّت کی شان ہے، چھپ کر داخلِ نصاب ہوجائے تو اہلِ سُنّت کا سر فخر سے اونچا ہو جائے۔ غرض جتنے منہ، اتنی باتیں تھیں۔ مجھے کلک تھی، اہلِ علم کی پُر خلوص، پُر درد باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

☆ علی گڑھ سے پروفیسر مختار الدین احمد نے لکھا: مضمون میں انتہائی انفرادیت ہے۔ ملک العلماء کا ایک نیا تعارف سامنے کر دیا۔ دل خوش کر دیا، خدا آپ کو خوش رکھے۔

☆ دہلی سے مولانا ارشاد نعمانی نے کہا: آپ صحیح سمت پر کام کر رہے ہیں، آپ کے اسلوب نے نوجوانوں کو گرویدہ بنالیا ہے، ملک العلماء والے مضمون میں جن حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ اپنی نوعیت کا منفرد مضمون ہے، ملک العلماء کی شخصیت و تصانیف پر کام ہونا چاہیے۔

☆ مالیگاؤں سے مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نے کہا: مضمون تو پڑھتے ہی رہتے ہیں، مگر آپ کے مضمون میں نئی باتیں، نئے پہلو سامنے آتے ہیں، ان مضامین کو کتابچوں کی شکل میں چھپنا چاہیے۔

☆ پٹنہ سے ڈاکٹر حسن رضا نے کہا: آپ نے اہم نکتہ اٹھایا ہے، 'صحیح البہاری' تو جب چھپی تھی، تبھی مصنف کے مادرِ علمی دار العلوم منظر اسلام بریلی اور مدرسہ اہل سُنّت و جماعت جامعہ معینیہ مراد آباد میں داخلِ نصاب تھی۔ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں آج بھی داخلِ نصاب ہے، مدارسِ اہلِ سُنّت میں بھی داخلِ نصاب ہونا چاہیے۔

☆ لاہور سے علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے فرمایا: آپ جب لکھتے ہیں، دل خوش کر دیتے ہیں، یہاں جہانِ رضا اور دیگر رسالوں میں یہ مضامین دوبارہ شائع ہوئے ہیں۔

قارئین آپ کو نہایت دل جمعی سے پڑھتے ہیں۔ ہاں جی! خدا آپ کو خوش رکھے، اچھا رکھے، کیا ہی اچھا ہو، پروفیسر مختار الدین احمد اور آپ مل کر کام کریں۔ صحیح البہاری پر کام کریں۔ حیاتِ ملک العلماء پر کام کریں۔ ملک العلماء کی سوانح حیات اب تک نہ لکھی گئی، نہ سامنے آئی۔ ملک العلماء گم گشتہ گوہرِ آبدار ہیں، اسے باہر لائیں۔ اچھا جی! اللہ حافظ، فی امان اللہ۔

☆ بمبئ سے مفتی اشرف رضا صاحب قادری نے فرمایا: آپ نے بڑا اچھوتا مضمون لکھا ہے، صحیح البہاری کا نکتہ سب سے اہم ہے۔ اس نکتے پر پیش رفت ہونی چاہیے۔ خدا زورِ قلم اور زیادہ کرے۔

☆ پونے سے پروفیسر ڈاکٹر سعید احسن قادری نے کہا: آپ نے اچھا قدم اُٹھایا ہے، ماہ نامے عام حلقوں تک نہیں پہنچ پاتے، جب کہ اخبارات قریب سے پڑھتے ہیں۔ آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں، تا کہ عوام و خواص علماے اہلِ سُنّت کے حالات و خدمات سے واقف ہوں۔ ملک العلماء کا تعارف جس انداز سے آپ نے کرایا ہے، وہ مسرت کن بھی ہے اور واقعی چشم کشا بھی۔

☆ ناگپور سے علامہ سید شاہ محمد حسینی صاحب نے فرمایا: اخبارات میں چھپنے چھپانے کا یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کیا ہے، نہایت خوب اور مفید ہے۔ علماے اہلِ سُنّت کا تعارف آپ بہت ہی حسین پیرایہ میں کراتے ہیں، اس طرح ہمارے علما کے حالات و خدمات سے ہر حلقے کے لوگ واقف و آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ملک العلماء کی زندگی اور اُن کے کارناموں کے جن پہلوؤں پر آپ نے روشنی ڈالی ہے، حقیقتاً وہ قابلِ توجہ ہیں۔ خدا آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے، عمر و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

☆ بلاس پور، چھتیس گڑھ سے علامہ محمد فریدی کا فون آیا، کہا: آپ جس موضوع پر لکھتے ہیں، حق ادا کرتے ہیں۔ قائد اہلِ سُنّت علامہ ارشد القادری پر جس خوب صورت اسلوب

میں آپ نے مضمون لکھا ہے، طبیعت باغ باغ کر دی ہے۔ مَیں خود فیضی ہوں، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں تعلیم حاصل کی ہے۔ واقعی آپ نے چند جملوں میں اُن کی متحرک زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا ہے۔ ملک العلماء پر مضمون پڑھ کر ابھی اُٹھا ہوں، ایک نئے جہاں، نئے آفاق سے آشنا ہوا ہوں۔ دبی ہوئی ہستیوں کے چہروں سے جب آپ پردے ہٹاتے ہیں، تو وہ چہرے دمکنے لگتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ملک العلماء کی ذات اور اُن کی عظیم خدمت 'صحیح البہاری' پر توجہ نہیں دی گئی۔ آپ چاہیں، تو یہ کام ہوسکتا ہے۔ خدا آپ کو نظرِ بد سے بچائے رکھے، تا کہ سُنّیت و رضویت پر خوب خوب کام ہو سکے۔

☆ کلیان سے مولانا محمد مسعود رضا نے فون پر کہا: آج ۴/جولائی ہے، آج کا دن میرے لیے یادگار رہے، ملک العلماء کی حیات و خدمات کو آپ نے جس انداز میں اجاگر کیا ہے، ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ملک العلماء پر آپ کتاب لکھ دیں، چھاپنے کی ذمّے داری ہماری ہے۔

کہاں تک لکھوں، یہ جو کچھ لکھا، آنے والے فون اور کی جانے والی باتوں کا نصف حصہ بھی نہیں، ایک ثلث بھی نہیں۔ پھر میرا ایک طویل مضمون تیار ہوا، جو ماہ ناموں میں چھپا، اس کا عنوان تھا ''ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ''، یہی صورتِ حال قریب یہاں بھی پیش آئی۔ چہار طرف سے تقاضا ہوا، تو مَیں نے فی الفوران مضامین کو اکٹھا کر دیا۔ مزید کچھ پہلوؤں کا اضافہ کر دیا۔ اخیر میں فلاں فلاں مضمون بھی محفوظ ہو جانے کی غرض سے شامل کر لیا، تا کہ کچھ تو اس جہانِ علم و فضل کا حق ادا ہو، جو جہان و جمود و ذہول کی گرفت میں ایک عرصۂ دراز تک رہا۔ خدا نے توفیق دی، تو آئندہ اور کچھ کر لیا جائے گا۔ اسی غرض سے مَیں نے کتاب کے آخر میں ایک خاکہ رکھ دیا ہے، کوئی فاضل چاہے تو ضرور اس میں رنگ بھرے۔ موجود مواد مہیا کر دیا جائے گا۔ ملک العلماء کی حیات و خدمات، تصانیف و تحقیقات پر مواد و

معلومات کی نشان دہی کا ایک اجمالی اشاریہ یہ ہے:

۱) ملک العلماء کے مرسلہ خطوط، قلمی

۲) ملک العلماء کے نام موصولہ خطوط، قلمی

سیرت وسوانح کی ترتیب وتدوین میں ذاتی خطوط سے بڑھ کر راست حیثیت اور کسی کی نہیں۔ خودنوشت سوانح عمریوں میں بھی وہ سچائی نہیں، جو خطوط میں ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ بے تکلف ہوتے ہیں اور غیر شعوری ہوتے ہیں، اس لیے ملک العلماء کے خطوط ان کی سیرت، شخصیت کا پہلا ماخذ ہیں۔ اسی طرح وہ خطوط بھی ہیں، جو ان کو اس وقت کے مشاہیر علما وفضلا یا دیگر صاحبانِ علم وتحقیق نے لکھے۔ حسنِ اتفاق کہ یہ دونوں ذخیرے کسی نہ کسی صورت سے محفوظ ضرور ہیں۔

۳) ملک العلماء کی گوناگوں علمی وفنی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف وتحقیقات، جو محفوظ ہیں۔

۴) تیسرا بڑا ماخذ جانشین علمی ونسبی پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا ذخیرۂ مخطوطات ہے۔ اسی طرح اُن کی قدیم وجدید، اردو عربی وفارسی کتابوں سے لبریز لائبریری بھی ایک اہم سرچشمہ ہے۔

۵) امام احمد رضا کے محبّ خاص، ممدوحِ خاص، خلیفۂ خاص حضرت الحاج محمد لعل خان مدراسی کا وہ طویل مضمون ہے، جو انہوں نے ملک العلماء کی ذات وخدمات، تصانیف پر لکھا تھا۔ ہوا یہ کہ الحاج مدراسی موصوف کی فرمائش پر ملک العلماء نے 'الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان' کا اردو میں ترجمہ کیا، یہ امام اجل علا شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی (م ۹۷۳ھ) کی کتاب ہے۔ ترجمہ ۱۳۳۳ھ میں پورا ہوا اور اس کا پہلا ایڈیشن انہیں کے زیر اہتمام مطبع اہل سُنّت وجماعت زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے ۱۳۳۳ھ ہی یا ذرا بعد میں شائع ہوا۔ الحاج موصوف نے مترجم کتاب ملک العلماء کی مختصر سوانح عمری لکھی تھی، جو کتاب

کے ساتھ چھپنا تھی، مگر کسی وجہ سے نہ چھپ سکی۔ اب وہ نادر اوراق ملک العلماء کے فتاویٰ کی ایک قلمی جلد کے اخیر میں محفوظ ہے۔ اس کی استنادی حیثیت اس لیے مسلّم، مستند ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے، سب آنکھوں دیکھا ہے۔ ۱۳۳۲ھ تک کے حالات اس میں درج کیے گئے ہیں۔ آخری صفحے پر ملک العلماء کی تصانیف کی فہرست بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۷ھ تک ملک العلماء ۳۵؍ کتابوں کے مصنف ہو چکے تھے۔ خیر یہ ایک مشاہداتی مستند ماخذ ہے۔

۶) پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب کی اطلاع کے مطابق ایک قلمی سوانح ملک العلماء اور ہے، جو ملک العلماء کے ایک خاص معتبر شاگرد حضرت مولانا عزیز حسن رضوی بھاگل پوری نے مرتب کی ہے۔ یہ کوئی چالیس، پچاس صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کی بھی استنادی حیثیت مسلّم ہے کہ ایک تلمیذ خاص کے قلم سے مشاہداتی و تجرباتی احوالِ حیات پر مبنی ہے، جو ابھی چھپی نہیں ہے۔ اب زیرِ طبع ہے۔

۷) ۱۹۶۲ء میں ملک العلماء کا وصال ہوا، ۱۹۷۰ء کے بعد ان کے ایک تربیت یافتہ مشہور عالم و مؤرخ حضرت مفتی محمود احمد قادری رفاقتی نے ملک العلماء کی شخصیت اور اُن کی محدثانہ خدمات پر ایک مقالہ لکھا، جو ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور اعظم گڑھ سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

۸) ۱۹۳۱ء میں صحیح البہاری کی دوسری جلد کے اوّل حصے چھپے، ان پر جو علمائے عصر نے اظہارِ خیال کیا اور رسائل و جرائد کے مدیروں نے جو تبصرے کیے، وہ بھی ایک قدیم مستند ذخیرۂ معلومات ہے۔

۹) حیات ملک العلماء کی علمی حیثیت کے تعین میں خود اُن کی وہ تحریریں بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں، جو مضامین و مقالات یا فتاویٰ، خطوط، صوم وصلوٰۃ کے نقشہ جات کی شکل میں معاصر اخبارات و صحائف میں چھپے ہیں، مثلاً ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور، ہفت روزہ 'الفقیہ'

امرتسر وغیرہ۔

۱۰) اس تعلق سے وہ تحریرات، تقریظات، تصدیقات، تأثرات، خطوط بھی ایک اہم ماخذ ہیں، جو اُن کے شیوخ، اساتذہ، احباب، اہلِ تعلق، مریدوں وتلامذہ اور دیگر اہم شخصیات کی طرف سے اُن کے پاس آئے یا ان کے کتب، رسائل، فتاویٰ پر مرقوم ہوئے یا اخبار و جرائد میں چھپے یا زبانی اظہارِ خیالات کیا گیا۔ یہ گوشہ بھی انتہائی اہم اور راست ماخذ ہے۔

۱۱) ڈاکٹر حسن رضا خان، پٹنہ کا ایک بھرپور مضمون جو انہوں نے ملک العلماء پر لکھا ہے، سالنامہ 'معارفِ رضا' کراچی شمارہ نہم ۱۹۸۹ء/۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا ہے۔

۱۲) مولانا عبدالمالک رضوی مصباحی کا ایک مضمون ماہ نامہ 'نورِ مصطفیٰ' پٹنہ میں نظر سے گزار ہے۔

۱۳) سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام نے کچھ سالوں پہلے ملک العلماء نمبر کی تیاری کی تھی، خاصے مقالے چھپے ہوئے تھے۔اب وہ سابق مدیر اعلیٰ حضرت مولانا ملک الظفر صاحب سہسرامی کی تحویل میں موجود ہیں۔ خصوصی نمبر یا کتابی صورت میں چھاپنے کا وہ ارادہ رکھتے ہیں، مگر مَیں نے اُن کو مشورہ دیا کہ فوراً ترتیب دے دیں۔

۱۴) ۱۹۹۲ء میں 'صحیح البہاری' کی عکسی طباعت حیدرآباد، سندھ سے ہوئی، اُس وقت ناشرین کتاب کی فرمائش پر پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے اپنے نامور والد ماجد کی حیات، علوم، تصانیف پر مختصر مگر نہایت معلوماتی، پُر از حقائق مقالہ لکھا۔ جو کتاب 'صحیح البہاری' مطبوعہ سندھ کے شروع میں شائع ہوا۔ عنوان ہے 'ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری: حیات وتصانیف'، جو باریک خط، جہازی سائز ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ بعد میں یہ مقالہ ادارہ معارفِ نعمانیہ، لاہور اور انجمن برکاتِ رضا، ممبئی سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

۱۵) ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی نے ایک عمدہ تحریر لکھی، جو جہانِ رضا شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء میں

لاہور سے چھپی، عنوان ہے 'ملک العلماء: مکتوبات ِرضا کے آئینے میں'، یہ مقالہ میری کتاب 'امام احمد رضا: خطوط کے آئینے میں' میں بھی شامل ہے۔

۱۶) میاں محمد صادق قصوری ایک عظیم محقق ہیں۔ اُن کی اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری کی مشترکہ کوششوں سے تذکرہ خلق اعلیٰ حضرت، پہلی بار مرتب ہوئی، جو ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے ۱۹۹۲ء میں چھاپی۔ اس میں علامہ ڈاکٹر جلال الدین قادری (پاکستان) کی بھی محاسنِ جمیلہ شامل ہیں، اس میں ملک العلماء کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۱۷) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے 'خلفاے محدثِ بریلوی' لکھی، جو رضا اکیڈمی، لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مع اضافہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ۲۰۰۵ء میں نکالا۔ اس میں بھی ملک العلماء کی حیات و افکار کا جامع تذکرہ موجود ہے۔

۱۸) علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے 'خلق اعلیٰ حضرت' لکھی، جو ۱۹۹۹ء میں رضا اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں علامہ قادری نے ملک العلماء کا ذکر قریب بیس صفحات میں کیا ہے۔

۱۹) جامعہ منظر اسلام بریلی کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی کا صد سالہ منظر اسلام نمبر چار ضخیم قسطوں میں شائع ہوا۔ پہلی قسط ۲۰۰۱ء، دوسری ۲۰۰۲ء، تیسری ۲۰۰۳ء، چوتھی ۲۰۰۴ء۔ ہر ایک کی ضخامت قریب تین سو، ساڑھے تین سو صفحات کی ہے۔ یوں تو چاروں نمبرات میں ملک العلماء کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، مگر ملک العلماء پر بطور خاص ایک مضمون چوتھی قسط ۲۰۰۴ء میں شامل ہے۔ عنوان ہے 'منظر اسلام کا پہلا طالب علم'، مضمون نگار ہیں حضرت ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، استاذ منظر اسلام بریلی۔

۲۰) اسی طرح ماہ نامہ 'معارفِ رضا' کراچی نے صد سالہ جشن دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء شائع کیا۔ اس میں بھی ملک العلماء کے حال احوال کا تذکرہ خوب ہے۔

اس میں بھی ایک خاص مضمون بعنوان منظرِ اسلام کا پہلا طالب علم' شاملِ اشاعت ہے۔ مضمون نگار حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی، لاہور علیہ الرحمہ ہیں۔

۲۱) 'الاستمداد علی اجیال الارتداد' محررہ ۱۳۳۷ھ مصنفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، محشی مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا، مطبوعہ بریلی و ممبئی۔

۲۲) 'تذکرہ محدثِ سورتی'، مرتبہ ڈاکٹر خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ سورتی اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی ص ۲۷۵ و بعد۔

۲۳) 'ملک العلماء حیات و خدمات'، مرتبہ مفتی ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل سہسرامی، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۲۰۰۵ء، صفحات سہ صد سے زائد۔

۲۴) خاکسار نے ایک مضمون لکھا، جو ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی سے شائع ہوا۔ عنوان تھا 'ملک العلماء: مکاتیبِ رضا کی روشنی میں'۔ یہ بھی مذکورہ کتاب میں شاملِ اشاعت ہے۔

۲۵) خاکسار کا دوسرا مضمون سہ ماہی 'افکارِ رضا' ممبئی سے چھپا، موضوع تھا 'فنِ مناظرہ میں ملک العلماء کا مقام'۔

۲۶) خاکسار ہی کا ایک تیسرا مضمون، جس نے ہند و پاک کے علمی حلقوں میں ایک نئی بیداری کی لہر دوڑا دی۔ عنوان تھا 'ملک العلماء کی اولیات -- ایک چشم کشا تحریر'، مطبوعہ روزنامہ 'اردو ٹائمز' ممبئی اور ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی۔ یہ مضمون اس کتاب کی ترتیب کا محرک بھی ہے۔

۲۷) خاکسار ہی کا ایک چوتھا مضمون، جو 'ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ' پر مشتمل ہے۔ یہ بھی مضامین کی یک جائی کا محرک بنا۔

۲۸) امام احمد رضا پر کالج و یونی ورسٹی سطح پر لکھے گئے تمام تحقیقی مقالات، مطبوعہ و غیر مطبوعہ، قریب سب میں ملک العلماء کا تذکرہ ضرور ہوا ہے۔

۲۹) مدارس کی سطح پر جتنے علمی و تحقیقی کام ہوئے ہیں، وہاں بھی کسی نہ کسی طرح ملک العلماء کا

ذکر ضرور موجود ہے۔ کیوں کہ رضویات پر کام کرنے کے لیے ہر محقق کی مجبوری ملک العلماء ہی ہیں۔

۳۰) اغیار کے جرائد، رسائل، کتب، مقالات میں بحوالہ ملک العلماء موجود مواد، چاہے قبول جس نہج سے بھی ہوا ہو، بہ نگاہِ انصاف اس مواد سے استفادہ۔

یہ ایک سرسری اجمالی اشاریہ ہے، ورنہ تلاش کیا جائے، تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ ملک العلماء کے لیے مواد کی قطعی کمی نہیں ہے، بلکہ اتنی فراوانی ہے کہ محقق کے لیے سمیٹنا دشوار ہے، جس کسی بھی عملی شخصیت، جس کے ہاں فنون کی کثرت ہو، پر لکھنا آسان ہے۔ آج سے کوئی چار سو برس پہلے ایک فنی شخصیت گزری ہے، ملا سید وجیہ الدین علوی گجراتی، ان کو ۶۴؍ فنون پر عبور حاصل تھا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی کے مرید خاص وخلیفہ ملّا عبدالحکیم سیالی کوٹی بھی کئی فنون کے جامع تھے۔ امام احمد رضا کی تو بات ہی الگ ہے، عصرِ آخر میں ملک العلماء ہی کثیر الفنون شخصیت نظر آتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ لکھنے والا بھی ان فنون سے ذرا ذرا سی شدبُد رکھتا ہو۔ ملک العلماء پر تو ایک نہیں، پی۔ ایچ۔ ڈی سطح کے کئی مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔ پچاس برس ان کی وفات کو ہونے آئے، حیرت ہے، اب تک کوئی جامع سوانح حیات نہیں لکھی گئی۔ اس لیے یہ خاکہ اور مواد مطلوبہ کا اجمالی اشاریہ یہاں درج کر دیا گیا، تا کہ خاموش سمندر میں کچھ تو اضطراب پیدا ہو اور کوئی نہ کوئی محقق اُٹھے، یہ کام کر جائے۔

اس کام کا اصل حق تو علمی و عالمی مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو ہی حاصل ہے، اس لیے سب کی نگاہ اُن ہی کی طرف اُٹھی ہوئی ہے۔ خدا کرے وہ یہ کام کر دیں، تو علمی برادری پر عظیم احسان ہوگا۔ دوسری ہستی تلمیذ ملک العلماء حضرت مفتی محمود احمد قادری، بھوانی پور، مظفر پور، بہار کی ہے۔ جو یہ کام باحسن اسلوب سرانجام دے سکتی ہے۔ مفتی صاحب موصوف ہی آمادۂ کرم ہو جائیں، تو تاریخ کے طالب علموں پر کرم بالائے کرم

ہوگا۔لیکن یہ دونوں عمر کی اس پائیدان تک پہنچ چکے ہیں، جہاں پہنچ کر حوصلے کی آگ سرد ہو جاتی ہے، کام کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے اور ذہن و چولیں ڈھیلی ہوکر رہ جاتی ہیں۔اس لیے ہو سکتا ہے یہ کام کسی فاضل نوجوان محقق کے حصے میں ہو۔ بہر کیف کوئی بھی کرے، کرے تو سہی۔جو بھی کرے گا، وہ تاریخ کا حصہ قرار پائے گا۔

کتاب کا نام ’’رضویات کے مؤسسِ اوّل‘‘ ہے۔وجہ اس کی یہ ہے، تصانیف کی طباعت و ترسیل میں اوّل تو مصنف علام کا حصہ ہے، افرادِ خاندان کا بھی حصہ ہے، اس سے ہٹ کر دیکھا جائے تو مسودہ سے مبیضہ تک، منتشرات سے مجتمعات تک، جمع و ترتیب سے طباعت و ابلاغ تک، فہرست سازی سے تحفظ و بقا تک ملک العلماء اولین خدمت گار و بنیاد گزار ہیں۔نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے، تو ملک العلماء بلاشبہ مؤسسِ اوّل بھی ہیں، معمارِ رضویات بھی ہیں۔آج جہاں کہیں بھی نامِ رضا، کامِ رضا، فکرِ رضا، ذکرِ رضا، علمِ رضا پر جو کچھ کام ہو رہا ہے، بلاواسطہ یا بالواسطہ وہاں ملک العلماء کی مساعی جمیلہ ضرور کارفرما ہیں۔

تفصیل کے لیے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا مضمون دیکھیے، جو اسی کتاب کی زینت ہے۔صرف تین جملے یہاں نقل کرتا ہوں۔

> ’’امام احمد رضا جیسے دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہیے تھیں، وہ سبھی ملک العلماء میں موجود تھیں، خلفائے امام احمد رضا میں ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا کوئی نہیں ہے۔ جہانِ سُنّیت اور دنیائے علم و ادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات وشخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے۔ آج گلشنِ رضویات کی توسیع اور تزئین اور آرائش کے جو باغبان و پاسبان مصروفِ عمل

ہیں، انہیں عزم و حوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام انہیں ملک العلماء کا ہے۔''

پہلے عرض کیا گیا کہ یہ کوئی مستقل سوانح ہے، نہ سیرت، اس لیے پوری کتاب باہم مربوط نہیں ہے۔ ہر مضمون کا رنگ الگ ہے، ہیئت اور ساخت الگ ہے، اسلوبِ تحریر میں بھی نمایاں فرق محسوس ہوگا۔ پہلی تحریر ۱۹۹۸ء کی ہے تو دوسری ۲۰۰۸ء کی، جو اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہے۔ بعض باتیں جو مکرر ہیں، آپ اُن سے قندِ مکرر کا لطف اٹھائیں۔

مواد کی فراہمی ترتیب اور ترسیل کا ہر موڑ پر ہر مصنف، ہر محقق خوب خیال رکھتا ہے، ان پر دھیان دیتا ہے، مگر خامیاں کمیاں ضرور رہ جاتی ہیں۔ علما و محققین اور مخلصین سے توقع رکھتا ہوں کہ اس مجموعۂ مضامین کی کمزوریوں سے آگاہ فرمائیں اور اس موضوع پر اگر مفید معلومات اور قیمتی مشوروں سے سرفراز فرمائیں، مَیں ان کا نہایت ممنون ہوں گا۔

غلام جابر شمسؔ مصباحی
ممبئی

ملک العلماء: مکتوبات رضا کے آئینے میں

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفرالدین دریائے گنگا کے لب پر آباد شہر عظیم آباد، پٹنہ کے ایک موضع رسول پور میجرا میں پیدا ہوئے، شفقت پدری کی گھنیری چھاؤں میں تعلیمی سفر کا آغاز کیا، نہر نہر، دریا دریا غواصی کرتے رہے اور آبدار موتی مونگا چن چن کر دامنِ مراد بھرتے رہے۔ تا آنکہ توفیقِ ایزدی نے سعادت شعار جویائے علم کو فضیلت آثار استاذ امام احمد رضا کی دہلیز پر پہنچا دیا، بلبل کو پھول اور پیاسے کو پنگھٹ چاہیے، بس یہیں انہوں نے ڈیرا ڈالا، آسن جمایا اور دھونی رمایا۔ ذہین وفطین، اخاذ ونباض، موفق من اللہ اور تراشیدہ کمالِ قدرت تو تھے ہی، امام احمد رضا کی فیضِ صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور پھر یہیں سے آپ کی حیاتِ مستعار کا دوسرا زرّیں دور شروع ہوا۔ بریلی، آرہ، پٹنہ، کلکتہ، سہسرام اور کٹیہار کی کشتِ علم پر برکتِ علم برسا کر خیابانِ رضا سے اُٹھنے والا یہ ابر بارندہ اپنی ہی زمین کے اُفق پہ جا کر تھم گیا اور خاکِ ہند کے جس مردم خیز خطّے سے علوم ومعارف کا یہ سورج اُگا تھا، برصغیر کے ذرّے ذرّے کانٹے کانٹے کو چمکا کر اسی خطے کے ایک حصے شاہ ارزاں کے جوار میں ''شاہ گنج'' میں روپوش ہو گیا۔

ملک العلماء امام احمد رضا کے سب سے بڑے مکتوب الیہ ہیں۔ چونکہ امام احمد رضا کے ذخیرۂ مکاتیب میں سب سے زیادہ مکتوبات آپ ہی کے نام ملتے ہیں، جو کمیت وکیفیت اور قدر وقیمت ہر اعتبار سے نہایت وقیع ہیں۔ لہٰذا مکتوباتِ رضا کے اُجالوں میں ملک العلماء کو تلاش کرنے سے پہلے، آیئے اس عظیم ومحبوب تر مکتوب الیہ کی سدا بہار زندگی کا اجمالی

خاکہ پیش نظر رکھیے۔

۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو وہ پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۰ھ میں اپنے زمانے کے ماہر و مشہور استاذ حدیث مولانا وصی احمد محدث سورتی سے ''مدرسۂ حنفیہ'' پٹنہ میں اخذِ علم کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں ماہرِ علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا احمد حسن کان پوری سے معقولات میں استفادہ کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں ہی مرکزِ علم وعرفاں بریلی حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں ''منظرِ اسلام'' کے قیام میں اہم کردار ادا کیا، ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، سنہ مذکورہ ہی میں منظرِ اسلام کے استاذ نامزد ہوئے اور امام احمد رضا نے آپ کو تمام سلاسلِ طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرمائی، اور انھیں ''ملک العلماء اور فاضلِ بہار'' کے خطاب سے نوازا، ۱۳۲۶ھ میں اپنا اونی مدنی جبّہ دے کر مناظرۂ میوات کے لیے روانہ فرمایا۔ ۱۳۲۹ھ تک آپ بریلی میں رہے، دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کیا، پھر شملہ اور آرہ ہوتے ہوئے ۱۳۳۰ھ کو مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی مسندِ فقہ وتفسیر کو زینت بخشی، ۱۳۳۴ھ میں سہسرام ضلع شاہ آباد تشریف لے گئے اور کئی سال تک علم وفضل کے گوہر لٹاتے رہے۔ ۱۳۲۶ھ ہی میں فرخندہ لڑکا تولد ہوا، تو امام احمد رضا نے تہنیت کا تار بھیجا، ۱۳۳۸ھ میں بحیثیت سینئر استاذ حکومت بہار نے ''مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ'' آپ کا تقرر کیا۔ ۱۹۴۸ء میں خانقاہِ کبیریہ کے سجادہ نشین کے اصرار پر ''مدرسہ کبیریہ'' کے پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے، ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء ''ظفر منزل'' شاہ گنج میں اقامت گزیں ہو کر عبادت وریاضت میں مشغول اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے، ۱۹۵۰ء میں شہر کٹیہار ضلع پورنیہ میں ''جامعہ لطیفیہ بحر العلوم'' کا افتتاح فرمایا۔ ۱۹۶۰ء تک یہیں آپ کا چشمۂ علم وفن بحر قلزم اور مہا ساگر بن کر بہتا رہا۔ ملک العلماء کے نہایت ممتاز شاگرد علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی اسی زمانۂ خیر و

برکت کی حسین یادگار ہیں۔ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا۔

اس تمہیدی خاکے کی روشنی میں حیاتِ ملک العلماء کو مقالہ نگار تین ادوار میں تقسیم کرتا ہے، پہلا دور ۱۳۰۳ھ تا ۱۳۲۱ھ۔ دوسرا دور ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۴۰ھ، اور تیسرا دور ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔ پہلا دور اور تیسرا دور ظاہری ربط و تعلق سے خالی نظر آتا ہے، البتہ تیسرے دور میں نسبتِ علمی اور روحانی تعلق ضرور قائم ہے، بلکہ اس رسمِ محبت کا رشتہ تو جنت کی بہاریں لوٹنے تک استوار رہے گا۔ بچا دوسرا دور جو نہایت تابناک ہے اور تقریباً ۱۹؍سالوں پر محیط۔ پھر اس کی بھی تین حیثیتیں ہیں۔ (۱) ملک العلماء بحیثیت طالب علم ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۲۵ھ (۲) ملک العلماء بحیثیت مدرّس ''منظرِ اسلام'' مصنف، مناظر، معتمد مفتی اور مشیرِ خاص امام احمد رضا ۱۳۲۵ھ تا ۱۳۲۹ھ، (۳) ملک العلماء بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ، مناظر، مصنف، مرشد طریقت، مکتوب الیہ اور مسلکِ امام احمد رضا کا جاں سپار نقیب و ترجمان۔

راقم آثم کا موضوع گو تیسری حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، مگر پہلی دونوں حیثیتوں پر ایک سرسری نظر ڈال لیجیے تا کہ ربطِ باہم کے نشانات اُبھر اُبھر کر خود سامنے آ سکیں۔

۱۳۲۱ھ میں ملک العلماء بریلی شریف وارد ہوئے ہیں اور چند دنوں میں ہی وہ اپنی ذہانت و متانت، بلند سیرت، حسنِ عمل، علمی اُٹھان اور فکری اُڑان کی بنا پر امام احمد رضا کے دل میں گھر بنا لیتے ہیں، وہ حلوا کھاتے ہیں، عیدی و تہوار پاتے ہیں، خاص خاص موقع پر جوڑا ملتا ہے، اونی مدنی جبّہ دیا جاتا ہے وہ بھی حرمِ نبوی کا، وہ پھولے نہیں سماتے ہیں، اُن کے لیے کُرتا، ٹوپی، پائجامہ اور بیش قیمت انگرکھا بنایا جاتا ہے، وہ برسوں اُن کا استعمال کرتے ہیں، اتنا سارا پیار کیوں نہ ملے، وہ مربی و مشفق اتالیق، یہ سراپا ادب و نیاز تلمیذ، آہ! کیسے کیسے الطاف وعنایاتِ خسروانہ اور کیا کیا انعام و اکرام کہ سو سو جان قربان! امام احمد رضا خود فرماتے

ہیں: ''جیسے مصطفیٰ (مفتی اعظم ہند) ویسے تم''۔شفیق استاذ نے اندر باہر کی تفریق مٹا دی تھی،عربی مدارس کے اساتذہ سبق سیکھیں۔

درسِ نظامی کی تکمیل اور رسمِ فراغت سے تین سال پہلے ہی ۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء نے پہلا فتویٰ لکھا، جھجکتے ہوئے اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا، پھر کیا ہوا، اس کی منظرکشی انہیں کے لفظوں میں دیکھیے اور بلندیِ اقبال پر رشک کیجیے:

''۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو مَیں نے فتویٰ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا حسنِ اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دستِ مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ مَیں نے لکھا والد ماجد مولانا نقی علی خان قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اسی لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔''

ملک العلماء علم وحکمت، بصیرت وتدبر، اصابت رائے، صلابت فکر، سچے شعور اور راست سوچ کے پیکر تھے۔امام احمد رضا کی جوہر شناس نگاہوں نے نظر اوّل ہی میں انھیں پہچان لیا، ان کی گہری سوچ اور باوزن افکار کا کس قدر احترام تھا۔امام احمد رضا کے یہاں ''مدرسہ منظر اسلام'' کی تاسیس کے پس منظر میں ذرا جھانک کر دیکھیے، سب سے پہلے ایک مدرسے کی تاسیس نے جس کے دل میں انگڑائی لی، وہ ملک العلماء ہی تھے اور ''منظر اسلام'' کے موسس علام اپنے ہونہار محرک اور ہنر مند مجوز کی خوبصورت تحریک وتجویز کو ردّ نہ فرما سکے، تحریک کی طاقت اور خلوصِ فکر رنگ لایا اور اسی سال منظرِ اسلام کا قیام عمل میں آ گیا،

تفصیلات کے لیے مولانا محمود احمد قادری کی ''تذکرہ علماے اہلِ سُنّت'' وغیرہ دیکھیے۔

بعد میں یہی ''منظرِ اسلام'' بغداد العلم کہلایا، رشکِ یونان و اصفہان بنا، غرناطہ سبکسار اور دہلی لکھنؤ شرم سار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے، اونچی درس گاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہوگئیں۔ رحمتِ رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور مدینۃ العلم کے رحمت بردوش معلّم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش وکرم نے امام احمد رضا کو حجازی حافظانِ حدیث اور فاضلانِ علومِ اسلامیہ کا معلّم بنا دیا۔ اللہ اکبر! خدمتِ خلق، اشاعتِ علم اور حبِّ نبی کا بیش بہا صلہ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا، اسی مشہور آفاق مرکزِ علم و حکمت کے پہلے برگ و بار اور اوّلین فصلِ بہار ہیں ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین۔ خدا! اپنی تجلیوں سے ان کے شبستانِ خاکی کو جگمگائے رکھ، رحمتوں کے پھولوں سے مہکائے جا!!

مدارس و جامعات کی تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ بانی، متعلم اور پھر معلم، ایک شخصِ واحد کو یہ تینوں حیثیتیں بیک وقت میسر ہوئی ہوں کہ ادارے کی تاسیسی تحریک میں مثلِ موسس رول ادا کرے، چٹائی پر بیٹھے، زانوے تلمذ تہہ کرے اور تکمیلِ درسیات کرتے ہی اسی درس گاہ کی مسندِ تدریس کی زینت بنا دیا جائے، اس خصوص میں ملک العلماء منفرد نظر آتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم و جدید تعلیمی مراکز میں جو چراغِ علم فروزاں ہے، اس کے روغن کا سررشتہ مجددِ اسلام اور منظرِ اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں، منظرِ اسلام کی خدمات جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیا جائے اور تمام کارنامے جو پس منظر میں چلے گئے یا دفتر گاؤ خورد ہوکر رہ گئے ہیں، پیش منظر لایا جائے، تاریخِ ہند میں خدمتِ علم اور اشاعتِ دین کا یہ سب سے روشن

باب ہے، مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے، خزانے کھنگالے جائیں، دفینے اُجالے جائیں، جامعہ منظر اسلام کے موجودہ اربابِ مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

''منظرِ اسلام'' قائم ہوگیا۔ ملک العلماء پڑھتے، امام احمد رضا کے مشاغلِ علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل و تبییض کرتے، حوالہ جات نکالتے، حوادثِ زمانہ پر گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے، الصحبۃ مؤثرہ کے بموجب راہوارِ قلم کو مہمیز لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا وہ تصنیف و تالیف بھی کرتے، عہدِ طالب علمی ہی کی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں:
(۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفا، بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ (۵) مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ، ان میں سے مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس کو ''عرس کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے ادارۂ افکارِ حق بائسی پورنیہ بہار نے کوئی دس سال پہلے شائع کیا ہے، اور اس پر امام احمد رضا قدس سرہ کی تقریظِ جلیل مرقوم ہے اور مطبع اہلِ سُنّت بریلی سے چھپی بھی تھی۔

۱۳۲۵ھ میں ملک العلماء نے نصابِ تعلیم پورا کیا، تو خوب دھوم سے جشنِ بہاراں منایا گیا۔ اُن کی جبینِ مبارک پہ ورثۃ الانبیا کا تاج سجا، عباقرۂ عصر کے بابرکت ہاتھوں نے دستار باندھی، سند و شہادت سے نوازے گئے۔ بیعتِ مرشد کا شرف حاصل تو تھا ہی، جملہ سلاسلِ طریقت کی اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ ''ملک العلماء'' اور ''فاضلِ بہار'' خطاب عطا ہوا، میکدے کا جو کبھی میکش تھا، ساقی مقرر ہوا، جو کبھی تشنہ تھا، سیراب ہوگیا، جو کبھی متعلم تھا، طالبانِ علومِ نبوت کا معلم نامزد ہوا، واہ رے! سرفرازیاں!! ان سعادتوں میں بھی

ملک العلماء کی انفرادی شان معلوم ہوتی ہے۔

بحرِ شریعت وطریقت کے تیراک، امام احمد رضا کے علم وعمل کا مظہر، فکر وقلم کا پرتو، فیضانِ نظر کی کرامت اور خصوصی توجہات کے محور نے بصد اعجاز جب تدریس کی ابتدا فرمائی، تو عملِ تدریس، نصابِ تعلیم، نظامِ اخلاق، مدرسین ومعلمین ومتعلمین کی تعداد یا ان کے کھان پان اور رہائش وغیرہ اور منظرِ اسلام کی تعمیر وتوسیع، کن کن جہتوں میں کیا اصلاحات و ترمیمات ہوئیں، کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں اور کس قسم کے اثرات وثمرات رونما ہوئے۔

جس درس گاہِ فیض بخش کا ہر ذرّہ آفتاب ومہتاب بن کر چمکا، افسوس! ان احوال تک دستِ قلم کی رسائی نہیں لیکن ملک العلماء کے چاق وچوبند ذہن ودماغ اور زمینِ شور میں سنبل اُگانے والی صلاحیت وقابلیت کے قرین قیاس یہی ہے کہ نمایاں ترین نتائج برآمد ہوئے ہوں گے۔

۱۳۲۶ھ میں ملک العلماء اپنی عمر کی بائیسویں بہار سے گزر رہے تھے، علاقہ میوات فیروز پور میں توہب زدہ گاؤں کے ٹھیکے داروں نے اودھم مچا رکھی تھی، حضرت مولانا صوفی شاہ رکن الدین الوری نے، حضرت مولانا احمد حسین رام پوری کو بریلی بھیجا کہ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو وہاں کے حالات کہہ سنائیں اور کوئی مناظر لیتے آئیں۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے مصنف کی تحریر پڑھیے:

''اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے، آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جایئے اور وہابیوں کو شکست دیجیے۔ مَیں نے عرض کیا، تعمیلِ ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کے دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شاملِ حال رہی تو وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ

حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبّہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے، مَیں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔

اونی مدَنی جبّہ کے جلوؤں نے اپنا اثر دکھایا اور امام احمد رضا کی دعا ''میرے ظفر کو اپنی ظفر دے'' کی تاثیر و برکت سے کامرانیوں نے قدم چوما، وہابیوں کو سنگین شکست ہوئی اور آپ فاتح و غالب ہوکر واپس تشریف لائے، تمام تفصیلی روداد آپ کی کتاب ''شکستِ سفاہت میں موجود ہے۔'' میرے ظفر'' میں جو پیار، اپنائیت اور اعتماد کا عنصر پایا جاتا ہے اس سے ہر صاحبِ ذوق لطیف، لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

(ماہنامہ، کنزالایمان دہلی اکتوبر ۲۰۰۰ء)

afselslam
ing The True Teachings Of Quran & Sunnah

معمارِ رضویات ملک العلماء کی اولیات

ایک چشم کشا تحریر

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

یہ بستی کوئی اور نہیں، ''میجرا'' ہے، جو عظیم آباد، پٹنہ کے مضافات میں واقع ہے۔ وہ بستی کس قدر خوش نصیب ہے، جو ملک میں منتخب نہیں، عالم میں انتخاب ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ چودھویں صدی ہجری کی پہلی دہائی کی تیسری کڑی ۱۳۰۳ھ میں وہاں وہ بچہ پیدا ہوا، جس نے اس بستی کیا، اپنے ملک وملّت کے نام کو فرش سے اُٹھایا، اوجِ کمال تک اُچھال دیا، ہاں! اس بچّے کا نام تھا ''محمد ظفر الدین'' نسب سادات کا تھا، نسبت قادریت تھی، قادریت کی ڈور جوان کے ہاتھ میں آئی، وہ امام احمد رضا کے ہاتھوں سے آئی، اس لیے وہ قادری رضوی کہلائے۔ امام احمد رضا نے ہی ان کو ''ملک العلماء'' کے خطاب شب تاب سے نوازا۔ یوں وہ علمی حلقوں میں ملک العلماء حضرت مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین رضوی قادری سے مشہور اکنافِ عالم ہوئے۔

ددھیال ونھیال کا ماحول علمی تھا، پاکیزہ تھا۔ ظاہر ہے، پرورش وتربیت پاکیزگی، عمدگی، پختگی، خوش سلیقگی سے ہوئی، ابجد خوانی گھر کے بزرگوں نے کرائی، ابتدائی تعلیم خاندانی حضرات سے پائی، اس عمر میں ذہن جو کورا کاغذ تھا، اس پر جو کچھ مرتسم ہوا، وہ مدت العمر رہا۔ پھر وہ پٹنہ آئے، جہاں علمِ حدیث کے مشہور استاذ حضرت مولانا شاہ محمد وصی احمد سورتی سے فقہ وحدیث کی تحصیل کی، پھر وہ کان پور پہنچے، فنِ معقولات کے معروف عالم حضرت مولانا شاہ احمد حسن پنجابی ثم کان پوری سے منطق وفلسفہ کی تعلیم لی۔ ۱۳۲۱ھ میں وہ درس گاہِ علم وعرفان بریلی وارد ہوئے، یہ وہ درس گاہ تھی، جہاں حجاز ویمن کے شائقینِ علم و تشنگانِ فن نے جان ودل کا نذرانہ نثار کیا، دیکھیے: الاجازة المتينة، ملفوظ، خطوط علمائے

عرب بنام رضا۔

یہی وہ کان پور ہے، جہاں ندوۃ العلما کی تاسیس ہوئی تھی، مولانا محمد علی مونگیری بانی وداعی تھے، ندوہ کا نصب العین جب غیر صالح افراد کی دسیسہ کاریوں کا شکار ہونے لگا، تو یہی علامہ پنجابی اور محدث سورتی نے مولانا مونگیری کو دائرۂ اہل سُنّت میں کسے رہنے کی بھرپور تلقین کی، دسیسہ کاروں کے پنجوں سے بچانے کی مکمل جدوجہد کی، مگر نتیجہ صفر رہا۔ چوں کہ تینوں آپس میں پیر بھائی تھے، سب کے مرشد گرامی قطبِ وقت حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تھے۔ شاہ صاحب امام احمد رضا کے ممدوح تھے اور وہ امام احمد رضا کے نہایت قدر دان تھے۔ مولانا مونگیری پر جو عقیدے کا الزام تھا، وہ اس سے اپنے آپ کو مبرّا نہ کر سکے، حضرت محدث سورتی اور علامہ پنجابی کے خطوط سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے منظرِ اسلام بریلی کی صدارت کی۔ ان کو پیش کش بھی کی تھی، اس الزام کو تقویت اس مناظرے سے بھی پہنچتی ہے، جو بھاگل پور میں ہوا تھا۔

بھاگل پور و اطراف میں مخدومانِ ذیشان کچھوچھہ مقدسہ کا عمل دخل تھا، مولانا مونگیری جو اسی علاقے کے مقامی و پیدائشی تھے، ان کی بھی آمد و رفت تھی۔ گو وہ مستقلاً کان پور رہنے لگے تھے۔ جب بھاگل پور و مونگیر کے مسلمانوں نے ان کی گھیرابندی کی، پہلے تو وہ پہلو بدلنے لگے، جب اصرار بڑھا تو ایک علمی مذاکرے کے لیے تیار ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ علمی مذاکرہ مناظرے کا روپ اختیار کر لیا۔ کچھوچھہ سے سید شاہ احمد اشرف الجیلانی جن کا ذکر قصیدۂ 'الاستمداد' میں عز و شرف کے ساتھ ہوا ہے، وہ اور اُن کے بھانجے محدث اعظم سید شاہ محمد اشرفی الجیلانی جب بھاگل پور تشریف لائے، تب مولانا مونگیری نے راہِ فرار اختیار کر لی۔ یہ ساری سرگزشت جو خط و کتابت اور سوال و جواب کی صورت میں ہے، محدث اعظم ہند نے ''اتمامِ حجت'' کے نام سے دو حصوں میں مرتب کر دی ہے، جو مطبوع ہے۔ یہ عبارت جملۂ

معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی۔

ہاں! تو بات تھی، ملک العلماء کے بریلی آنے کی۔ یہ ۱۳۲۱ھ کا زمانہ تھا، وہی علم و عرفان کی درس گاہ، جو ذاتِ واحد کے دم قدم سے آباد تھی، اور وہ ذاتِ واحد امام احمد رضا کی تھی۔ ملک العلماء انہی سے وابستہ ہو گئے۔ وہ درختانِ سبز، جو خودرو ہوتے ہیں، راہگیروں کے قدم روک لیتے ہیں، لیکن وہ شجر ہائے سرسبز جن کی حنابندی کسی دل سوز باغبان نے کی ہو، ان کے برگہائے خوش رنگ قدم نہیں، رہ گزر کے دل تھام لیتے ہیں۔ بس یہی حال اس درس گاہِ فیض بخش کا تھا۔ آنے والا تراشیدہ ہو یا ناتراشیدہ، اِدھر اک نظر پڑی، اُدھر آفتابوں کا آفتاب بن کر چمکنے لگا۔ ملک العلماء تو ملک العلماء تھے، رشکِ آفتاب بن کر چمکے، اہلِ سُنن کے دلوں کی دھڑکن قرار پائے۔

۱۳۲۲ھ میں قیامِ منظر اسلام کے لیے ذہن سازی کی، راہ ہموار کی، یہی منظر اسلام برصغیر کا بہت بڑا علمی مرکز بنا۔ ایشیا کا ''ازہر'' ثابت ہوا، نابغۂ روزگار درس گاہ کہلائی۔ ۱۳۲۳ھ میں علاقہ میوات میں مناظرہ کیا، مجمع لوٹ لیا، فاتح ہوکر بریلی لوٹ آئے۔ دیکھیے رودادِ مناظرہ 'شکستِ سفاہت'، مطبوعہ بریلی۔ ۱۳۲۵ھ میں تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے، خانقاہِ عالم پناہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی کے آستانۂ حق پرست میں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اس وقت کے سجادہ نشین شاہ التفات حسین اور امام احمد رضا نے یہ رسم ادا کی۔ یہ زرّیں موقع عرس کی تقریب کا تھا، سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی نے جب درسیات کی تکمیل کی، تو ان کے استاذ جلیل علامہ شیخ نورالحق فرنگی محلی نے ان کی دستارِ فضیلت کی رسم اسی آستانۂ مخدوم پر کرائی تھی، شاید اُس دور میں جشنِ دستار بندی کا یہ رواج نہیں تھا، جو اِس دور میں ہے۔

ملک العلماء نے عہدِ تحصیل میں ہی قلم پکڑ لیا تھا، کئی عربی کتب کا اردو ترجمہ کیا، فقہ

کی نصابی کتاب 'قدوری' کی عربی میں شرح لکھی، فتویٰ نویسی کی، پڑھتے بھی تھے، پڑھاتے بھی تھے، امام احمد رضا کے فتاویٰ وتصانیف کی تبییض بھی کرتے تھے، منظر اسلام کی دیکھ ریکھ بھی ان کے ذمے تھی، مطبع کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ جب تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے تو منظر اسلام میں باضابطہ درس دینے لگے، مطبع اہلِ سُنّت و جماعت کے مہتمم رہے، بریلی دارالافتا کے مفتی رہے، امام احمد رضا کے مشیر خاص رہے، اُن کے دستِ راست بنے۔ درازقد، خوش قامت، خوش فکر، خوب رونوجوان ملک العلماء فطرتاً اخاذ، حساس، دراک تھے۔ چاق و چوبند رہتے، پھرتی، چستی، سرعت، نفاست، حذاقت، مہارت سے ہر کام بر وقت انجام دیتے۔ ۱۳۲۹ھ تک وہ بریلی رہے، پھر وہ شملہ گئے، آرہ گئے، پٹنہ گئے، سہسرام گئے، واپس پٹنہ آئے، عمر کے دو اخیر سال انھوں نے بحر العلوم کٹیہار کو دیے، پھر 'ظفر منزل' شاہ گنج، پٹنہ آکر متقاعد ہو گئے۔ تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت، اوراد و اذکار، سلوک وتصوف، بیعت وارشاد، تربیت وتذکیر میں محو ہو گئے اور جب خدا نے بلایا تو اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

امام احمد رضا کے تلامذہ وخلفا میں ایک سے بڑھ کر ایک رشکِ مہر و ماہ گزرے ہیں، لیکن ملک العلماء کی درجنوں خصوصیات ایسی ہیں جن میں وہ انفرادی شان رکھتے ہیں۔ جبھی تو امام احمد رضا نے ان کو ملک العلماء کہا، تمام علوم وعلما کا شہریار، ہر فن مولیٰ، ہر فن کے فنکار، کسی خاص فن کی تخصیص نہ فرمائی۔ ملک العلماء نے جو کتابیں دورِ تحصیل میں لکھیں وہ امام احمد رضا کی نظر سے گزریں، تقریظ رقم فرمائی، ایسی کتابوں کی تعداد نصف درجن سے زائد ہے، ان میں کئی کتابیں چھپ بھی چکی ہیں۔ بیسویں صدی کی پہلے عشرے کے نوجوان ملک العلماء نے اپنی عمر کی بیسویں بہار میں ہی مناظرۂ میوات جیت کر فنِ مناظرہ میں وہ بلند رتبہ حاصل کر لیا تھا جو اُن کے ہم سفروں کو نصیب نہ ہوا۔ امام احمد رضا کے وہ علومِ عجیبہ وفنونِ غریبہ، جن کے سمجھنے والے دنیا میں تقریباً ناپید ہیں، ان علوم وفنون کے امین و وارث تنہا ملک العلماء ہی

تھے۔امام احمد رضا کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ حکم دیا تھا کہ بریلی کے اوقاتِ صلوٰۃ وصوم وسحر کو وہی تیار کیا کریں۔ ملک العلماء نے جو یہ کام دورِ طالب علمی میں شروع کیا تو زندگی بھر کرتے رہے۔ دیکھیے خطوطِ امام احمد رضا بنام ملک العلماء۔

سب جانتے ہیں امام احمد رضا بڑے زود نویس تھے، قلم اُن کا صبا رفتار تھا۔ حضرت مولانا کرامت اللہ نقشبندی دہلی کے بقول 'اعلیٰ حضرت کے ایک دن کے لکھے کو کئی دن میں کئی لوگ صاف کرتے تھے'۔ اس امر میں ملک العلماء ہر ایک سے زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چوں کہ ملک العلماء امام احمد رضا کے مزاج شناس تھے، خط آشنا تھے، تحریر کے تیور اور قلم کی نوک پلک سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے یہ کام ان سے بوصف خاص لیا جاتا تھا۔ ملک العلماء نے یہ کام زمانۂ طالب علمی میں تو کیا ہی، زمانۂ مدرّسی میں بھی کیا، شملہ، آرہ، پٹنہ، سہسرام جہاں کہیں رہے، علی الدوام کرتے رہے، حضر میں تو کیا ہی، دورانِ سفر بھی کیا، اس کا سراغ بھی خطوطِ رضا ہی سے ملتا ہے۔ اس لیے کہ ملک العلماء کو یہ آ گہی رہتی تھی کہ امام احمد رضا نے کس دن کیا لکھا، ہفتے میں کتنے فتوے، کتنے رسالے تیار کیے، اپنے مرشد کی تحریری و تصنیفی سرگرمیوں سے ملک العلماء باخبر رہتے تھے اور باخبر رکھا بھی جاتا تھا۔

تصانیف کی تعداد جب بڑھ گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی ایک منضبط فہرست بنائی جائے، حیدر آباد کے حضرت مولانا عبد الجبار کی فرمائش پر ملک العلماء ہی آگے بڑھے، وہی اس کا استحقاق بھی رکھتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کو فہرست تیار ہوئی، نام رکھ چھوڑا تھا "**المجمل المعدد لتالیفات المجدد**" جو مطبع 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوئی۔

وہ معمار جو بنیاد کی پہلی اینٹ رکھتا ہے، وہی اس بنیاد پر سیدھی عمارت کھڑی کر سکتا ہے، جیسے جیسے تصنیفاتِ رضا سامنے آتی گئیں، ملک العلماء کی فہرست میں اضافہ ہوتا رہا۔ صاحبِ کتب قیمہ کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے بعد مفتیِ اعظم ہند نے ملک العلماء کو باصرار

بریلی بلایا، تمام مصنفات اور وہ مسودات جو منتشر اور پراگندہ تھے انھیں ازسرنو مرتب کرنے کو کہا۔ ملک العلماء جو اس کام کے خوگر تھے، بھلا کیوں نہیں پہنچتے۔ سرآنکھوں کے بل پہنچے، تین چار ماہ قیام کیا، بڑی عرق ریزی، دل سوزی، پتّا ماری کے ساتھ مطلوبہ کام انجام دیا۔ تمام مخطوطات و منتشر اوراق کو ترتیب دے کر فہرست بنائی، یہ فہرست بروقت طبع نہ ہوسکی، جس کا قلق ملک العلماء کے ساتھ ہر ایک دردمند کو تھا۔ سید ایوب علی رضوی لاہور اور حضرت مولانا نورالدین رضوی گوالیار کے نام خطوط ملک العلماء سے اس قلق کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ملک العلماء نے 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' لکھی، اس میں آپ نے اطلاع دی کہ اس کی اگلی جلد میں تصانیفِ رضا کی ایک فہرست شامل ہوگی، جو چھ سو سے زائد تصانیف پر مشتمل ہوگی۔ الغرض زیرِ موضوع فہرست کے تعلق سے ملک العلماء ہی تصانیفِ اعلیٰ حضرت کے اوّلین فہرست ساز ہیں۔ اب بعد کے دنوں میں جو بھی فہرست بنی، چھپی یا بنے گی، چھپے گی، سامنے آئے گی، اس کی اساس وہی فہرست ہوگی جو ملک العلماء نے قرینے سے شائع کرائی تھی، بنائی تھی۔

جس علم کو امام ابن حجر مکی نے 'زواجر' میں فرضِ کفایہ بتایا ہے، وہ ہے علمِ توقیت۔ علمِ توقیت و ہیئت کے معاملے میں امام احمد رضا سدرۃ المنتہیٰ پر فائز تھے۔ جب اُن کا وصال ہوا، تو یہ جگہ ملک العلماء کے لیے چھوڑ گئے، بلکہ اپنی حیات ہی میں اس منصب پر بٹھا دیا تھا اور اپنے احباب سے تحریراً کہہ دیا تھا کہ یہی (ملک العلماء) اس علم سے تنہا آگاہ ہیں۔ چنانچہ بریلی سمیت تمام اقطارِ ہند کے لیے نماز، روزے، سحری کے اوقات کا نقشہ ملک العلماء ہی بنایا کرتے تھے۔ سُنّی بڑی مسجد ممبئی میں امام و خطیب تھے شیر بیشۂ اہل سُنّت حضرت علامہ حشمت علی لکھنوی۔ ان کے لیے اوقاتِ نماز وغیرہ بنا کر پٹنہ سے ملک العلماء ہی بھیجا کرتے تھے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر ملک العلماء نے بمبئی کے لیے ''مؤذن الاوقات'' مرتب کی۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف بلیاوی تھے، جو بہ نفس نفیس شاہ گنج پٹنہ تشریف لے گئے اور ملک العلماء سے اس علم میں استفادہ کیا۔ ان افادی و استفادی رابطوں کا ثبوت ان خطوط سے ملتا ہے جو دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو لکھے ہیں۔ ان میں سے کچھ خطوط 'جہانِ رضا' لاہور اور 'افکار رضا' ممبئی میں چھپ چکے ہیں۔ مظہر اعلیٰ حضرت امامِ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفۂ مفتی اعظم ہند، امام النحو حضرت مولانا بلال احمد رضوی، خلیفۂ مفتی اعظم ہند سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی، حضرت مولانا فیض الرحمٰن صاحب اشرفی شیخ الحدیث دارالعلوم شیخ احمد کھٹو احمد آباد، حضرت مولانا عبدالرشید رشیدی دارالعلوم مصطفائیہ، خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار پورنیہ اور حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی شہجنہ والد ماجد مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی، یہ حضرات ملک العلماء کے شاگرد ہیں، جو بقید حیات ہیں۔ ان حضرات کے بیان کے مطابق حضرت مولانا بلیاوی بحرالعلوم کٹیہار بھی تشریف لے گئے۔ چوں کہ ملک العلماء ان دنوں وہیں تشریف رکھتے تھے...... (۱) اس وصف میں ملک العلماء مرجع و مقتدا تھے، اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو اُن کے نام تمام بلادِ ہند سے آئے۔ ان خطوط کا قلمی ذخیرہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ کے کتب خانے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس ذخیرے کے تفصیلی مطالعے سے بعید نہیں کہ اور مزید گوشے سامنے آئیں۔ حضرت ڈاکٹر موصوف کو یہ ذخیرہ عام کر دینا چاہیے، تا کہ حیات و علوم ملک العلماء کھل کر اہلِ علم کے سامنے آ سکیں۔

اس علم میں امام احمد رضا نے ایک ہی نامور شاگرد پیدا کیا، وہ ہیں ملک العلماء۔ اور حضرت ملک العلماء نے بھی ایک ہی فردِ فرید پیدا کیا اور وہ ہیں مظہر اعلیٰ حضرت امامِ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی۔ اب حضرت خواجہ صاحب نے ایک سے دو بھلے سہی کے مصداق دو شاگرد تیار کیے، ایک ہیں مناظر اسلام فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، دوسرے

ہیں خاموش طبع باعمل عالمِ دین حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی استاذ جامعہ نوریہ بریلی۔ ابھی حال ہی میں قاضی صاحب نے امام احمد رضا کی مشہورزمانہ تصنیف ''**کشف العلۃ عن سمت القبلۃ**'' جو قلمی تھی، حضرت امام علم وفن کی مشورت ومعاونت سے ایڈٹ کیا ہے، جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے چھپ چکی ہے یہ ساری علمی وفنی بہار امام احمد رضا ہی کی ہے، جو بواسطۂ ملک العلماء دور دراز علاقوں تک پھیل رہی ہے۔

ابھی چند سال ہوئے، امریکہ میں شمالی امریکہ کی سمتِ قبلہ زیر بحث آئی، مسائل پر گفتگو ہوئی، استفتا مرتب ہوا، کئی ملکوں کے کئی کئی علمی حلقوں نے جواب رقم کیا، مگر مسئلہ علی حالہٖ جوں کا توں برقرار رہا۔ ایک روایت کے مطابق چھ سات ملکوں کے جوابات وفتاوے آئے، جو کشف امر میں ناکام ونا تمام رہے۔ یہ امامِ علم وفن خواجہ صاحب ہی ہیں جنھوں نے اپنے ذہنِ اخاذ سے کام لیا، ''**کشف العلۃ عن سمت القبلۃ**'' قلمی کا مطالعہ کیا اور پھر ایسا فتویٰ تحریر کیا کہ تمام شبہات یکسر کافور ہو کر رہ گئے، مستفتی تھے حضرت مولانا قمر الحسن قمر مصباحی بستوی اور حضرت مولانا احمد القادری مصباحی۔ فروری ۲۰۰۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں فقہی سمینار ہوا، اس علمی وفقہی مذاکرے میں اپنا خطبۂ صدارت دیتے ہوئے جامعہ کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے بجا فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ہمارے تمام مسائل حل فرما دیئے ہیں، اصول متعین کر دئے ہیں، ہمارے سامنے رہنما ضابطے ہیں، ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں، البتہ اغیار ہمارے اصولوں کے ضرور محتاج ہیں۔ لہٰذا امام احمد رضا سے ہم کسی بھی مسئلے میں قطعاً بے نیاز نہیں ہو سکتے، یہ بات بلاشبہ درست ہے۔

کہا گیا تھا کہ وہ حدیث میں فرمایہ تھے، چوں کہ یہ بات عربی زبان میں کہی گئی تھی، اس لیے دور وسیع حلقے تک پہنچی۔ دریائے سیحون وجیحون کے دوش پر امام بخاری نے 'بخاری شریف' مدون کی تھی، دریائے گنگا کے ساحل پر ملک العلماء نے 'صحیح البہاری' تالیف

فرمائی،اس کاایک دوسرانام ’جامع الرضوی‘ بھی ہے”**الجامع الرضوی معروف بصحیح البھـــاری**“ ہے۔عربی کا جواب عربی میں عملاً دیا گیااور یہ سب سے پہلے دیا گیا۔ساتھ ہی دنیائے حنفیت کے لیے یہ کتاب ابرنیساں ثابت ہوئی۔ جب یہ کتاب چھپ کرمنظرعام پر آئی تو ملک کے مؤقر جرائد میں اس پر تبصرے شائع ہوئے،اس کوشش کو بے حد سراہا گیا، دیکھیے معاصر جرائد۔صاحبِ نظر،اہلِ قلم نے لکھا کہ اس کتاب نے جہاں حنفیوں کی لاج رکھ لی ہے،وہیں مدارسِ اسلامیہ کی نصابی طور پر ایک بہت بڑی ضرورت پوری کردی گئی ہے۔

ایک تو ملک العلماء خود ہی فنِ حدیث کے ماہر ومشاق تھے،عربی زبان وادب کے بے لاگ سلجھے ہوئے اسلوب کے مالک تھے۔کتاب ماہرانہ فنی، تکنیکی ہنرمندی سے مدون کی گئی،دوسرے امام احمد رضا کے فنِ حدیث واصولی افادات نے سونے پرسہاگہ کردیا، تیسری خوبی اس کتاب کی اس کا مقدمہ ہے،جوفنِ اصولِ حدیث کے اصول وجزئیات پر مبنی ہے۔ یہ پوری کتاب استاذ وتلمیذ کی فنِ حدیث وفنِ اصولِ حدیث میں مہارت و بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

’صحیح البہاری‘ کی چھ جلدیں ہیں،ہرایک جلدقریب ہزارصفحات پر مشتمل ہے،ہر جلد کے چار حصے بنائے گئے ہیں،ترتیب اس کی فقہی ابواب کے طرز پر رکھی گئی ہے،لیکن تالیف کے بعداس کی صرف دوسری جلد چھپی،بقیہ اب تک غیرمطبوعہ ہیں۔جوجلد چھپی،وہ مرکزی درس گاہ جامعہ منظراسلام،بریلی میں داخل نصاب ہوئی،اساتذہ پڑھاتے تھے،طلبہ پڑھتے تھے،پھرنہ جانے کب اورکیوں یہ کتاب نصاب ودرس سے موقوف ہوگئی۔ یہ جلدفقیر کی نظر سے گزرچکی ہے،کتاب کا مسودہ بخط مصنف ملک العلماء کے اکلوتے فرزندعالمی اسلامی اسکالر پروفیسرمختارالدین احمد صاحب کے پاس بحفاظت موجود ہے۔

۱۹۹۲ء میں پروفیسرمختارالدین احمد صاحب کی تحریک پراستاذ الاساتذہ ڈاکٹرغلام

مصطفیٰ خاں سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی کی کوششوں سے صحیح البہاری شریف کی مطبوعہ جلد کی عکسی طباعت حیدر آباد سندھ سے ہوئی۔ دیرینہ کرم فرما محسنِ اہلِ سُنّت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے کرم فرمایا، دو نسخے موصول ہوئے، ابھی دو تین برس پہلے ادارۂ شرعیہ مہاراشٹرا کے قاضی حضرت مفتی اشرف رضا قادری میرے پاس آئے، اس کا ایک نسخہ اُٹھا لے گئے، جس کو پھول گلی مسجد کے خطیب و امام پیر طریقت سراجِ ملت حضرت مولانا قاری سید سراج اظہر صاحب رضوی نے اپنی نگرانی میں چھپوایا، مگر عکس در عکس چھپنے سے قبل جب یہ بات میرے کانوں تک پہنچی تو مَیں نے مفتی صاحب سے گزارش کی تھی کہ سُنیوں کا جذبہ سوڈا واٹر کی بوتل کی طرح ہوتا ہے، پل میں تولہ، پل میں ماشہ، جب یہ جذبہ جاگ اُٹھا ہے، تو اس سے فائدہ بھی اُٹھانا چاہیے، تاخیر ضرور ہوگی، مگر کام پائیدار ہوگا۔ کتاب از سر نو مرتب کی جائے، پیرا گرافنگ، تخریج، تحشیہ کے ساتھ ملک العلماء کا سوانحی خاکہ بھی شامل کیا جائے، بلکہ ایک پروجیکٹ بنا کر قلمی مجلدات حاصل کرلی جائیں۔ پھر علی النظم سسٹم کے ساتھ کام ہو، جو دورِ حاضر میں جدید فن تدوین کا مزاج ہے۔ لیکن چوں کہ یہ کام وقت طلب تو تھا ہی، دقت طلب بھی تھا، اس لیے میری گزارش، گزارش ہی رہی اور کتاب جیسی تھی، ویسی ہی چھپ گئی، خیر چھپی تو سہی، کچھ تو ہوا، جو نہ ہونے سے بہر حال بہتر ہے۔

ملک العلماء جو سراپا علم تھے، مجسم اخلاص تھے، یہی ایک کیا، ان کا ہر کام جماعتی جذبے اور جماعتی ضرورت کے تحت ہوا کرتا تھا، کوئی اپنی ذات سے وابستہ یا جماعت سے ناوابستہ ہوتا ہی نہیں تھا۔ ایسی شخصیت جو علم و اخلاص کا مرقع ہو، ضروری ہے کہ ان کی تمام تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کو تلاش و تحقیق کے بعد منظر عام پر لایا جائے۔ اہلِ نظر، اہلِ قلم نوجوانوں کو آگے آنا چاہیے، اگر ایسا نہ ہوا، تو یہ احسان فراموشی ہوگی، محسن کشی ہوگی، زندہ کرداروں کی تدفین ہوگی، یہی نہیں بلکہ وہ فضلا و نوجوان جو جماعتی جذبے سے دل سوزی

کے ساتھ کام کررہے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی، یہ ساری صورتیں بہرحال جماعت کے حق میں مفید نہیں، نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ ایسی غیر مفید ضرر رساں صورتوں سے خدا ہمیں محفوظ رکھے۔

ابھی اوپر ذکر ہوا، صحیح البہاری کی ایک جلد چھپی بھی، داخلِ درس بھی ہوئی اور خارج بھی ہوئی، اسباب جو بھی ہوں، مضٰی ما مضٰی، لیکن حنفی اصولِ فقہ و مسائل فقہ کی ایسی مستدل کتاب کی جو ضرورت تھی، وہ اب بھی ہے۔ اس لیے وہ صاحبانِ علم جو ہماری جماعت کے اربابِ مجاز ہیں، خصوصاً وہ جو مدارسِ اہلِ سُنّت کے نصاب پر غور وخوض کرتے ہیں یا نصاب کمیٹیوں کے ارکان واعضا ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اس طرف یقینی توجہ دیں، اس کام کو مذکورہ گزارشات کی روشنی میں یا اپنی صواب دید پر آگے بڑھائیں، مدارسِ اہلِ سُنّت کے درس میں شامل کرنے کی کوشش کریں، جب غیروں کی کتابیں ہماری درس گاہوں میں پڑھائی جاتی ہیں، تو پھر یہ کتاب کیوں نہیں داخلِ نصاب ہوسکتی، جبکہ یہ کتاب جماعت کی ضرورت کو پورا بھی کرسکتی ہے اور جماعت کو خود کفیل بھی کرسکتی ہے۔ یہ کام علمی بھی ہے، اہم بھی، اس لیے کوئی ذمے دار ادارہ ہی اس کام کو کرسکتا ہے۔ اس کے لیے ہندوستان میں بریلی شریف کا کوئی ادارہ یا امام احمد رضا اکیڈمی یا جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے بخوبی ہوسکتا ہے اور پاکستان میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور یا ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی بھی کرواسکتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں رضا اکیڈمی ممبئی بھی اس کام کے لیے بہت موزوں ہے۔

حالیہ برسوں میں امام احمد رضا کی مہارتِ حدیث دانی پر کئی ضخیم جلدیں منصۂ شہود پر آئیں، مفتی محمد عیسیٰ رضوی کی 'امام احمد رضا اور علمِ حدیث' (۵/جلدیں) اور علامہ محمد حنیف رضوی کی 'جامع الاحادیث' (۱۰/جلدیں) ترتیب وطباعت کی منزلوں سے گزر کر اہلِ علم تک پہنچیں، جو علمی ہیں، اہم ہیں، قابلِ قدر ہیں۔ غالباً پاکستان سے بھی کسی صاحب نے یہ کام

کیا ہے، جو پی. ایچ.ڈی کی سطح کا ہے۔ان تمام کاموں کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلّم ہے، گوان تمام کتابوں کی عمارت اسی بنیاد پر اُٹھی ہے، جو ملک العلماء نے ڈالی تھی، لیکن جو خصوصیات 'صحیح البہاری' کی ہیں، وہ مابعد کے کاموں کو حاصل نہیں، اس لیے صحیح البہاری حدیث کی کتاب ہے، داخلِ نصاب کرنے کے لائق بھی ہے اور مطالعہ وافادہ کے قابل بھی۔ فخریہ طور پر غیروں کی میز پر بھی رکھ سکتے ہیں، حدیث بھی پڑھ سکتے ہیں، زبان وادب کا لطف بھی اُٹھا سکتے ہیں۔سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تمام حنفی مسائل کے اثبات واستنباط میں جن مستدل حدیثوں کی ضرورت پڑتی ہے، وہ یہاں یکجا موجود ہیں، چوں کہ تالیف کتاب کی غرض ہی یہی ہے۔ جب کہ مابعد کی کتابیں ان خصوصیات سے خالی ہیں، خالی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مطالعہ وافادہ کے فوائد سے بھی خالی ہیں، جس طرح زمانی اعتبار سے صحیح البہاری کو اولیت حاصل ہے، اسی طرح فوائد کے اعتبار سے بھی اسے برتری حاصل ہے۔

معاصر جرائد کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حیاتِ رضا کا ذکر حیات ہی میں ہونے لگا تھا۔ روزنامہ 'زمیندار' لاہور، ماہ نامہ 'تصوف' لاہور، پندرہ روزہ 'الخطیب' دہلی ہفت روزہ 'الفقیہ' امرتسر ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور میں مختصر ومتوسط مضامین نظر سے گزر چکے ہیں، 'ذکرِ رضا' منظوم سوانح بھی پیش نظر ہے۔اس منظوم سوانح کے مصنف تھے حضرت مولانا شاہ محمد محمود جان پشاوری ثم جام جودھ پوری، جام جودھ پور یہ کاٹھیاوار گجرات میں ہے۔مولانا پشاوری عالمِ اجل تو تھے ہی، ولی العصر بھی تھے، امام احمد رضا سے ان میں بے حد عقیدت تھی، ان کو خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔اپنے مرشد سے مولانا پشاوری عقیدت تھی جس کا ثبوت تحریری بھی ہے اور عملی بھی۔عملی یہ کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کا کرتا، انگرکھا، رومال تبرکاً لے لیا تھا، جو بحفاظت تمام آج بھی محفوظ ہے، مجھے زیارت کا موقع ملا ہے۔ ہرارے، افریقہ کے قاری احمد رضا صاحب انہی کی نسل سے ہیں۔

جب امام احمد رضا کا وصال ہوا، تو ہر طرف خاموشی رہی، فوری سوانح کا کوئی کام سامنے نہیں آیا، خدا جزائے خیر دے حضرت سید ایوب علی رضوی بریلوی کو کہ سوانح حیات کا تصور سب سے پہلے اُن ہی کے ذہن میں پیدا ہوا، انہوں نے کچھ معلومات و مواد بھی اکٹھا کیا، لیکن حالات نے ساتھ نہ دیا اور وہ کام وہیں کا وہیں رکا رہا۔ حضرت سید موصوف امام احمد رضا کے خصوصی تربیت یافتہ حاضر باش جلیس مجلس تھے۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور تشریف لے گئے، وہاں انہوں نے رضوی کتب خانہ بھی قائم کیا، طباعت و اشاعت کی راہ سے بڑا کام کیا۔ کارِ رضا سے اُن کو خدا واسطے محبت تھی، ۱۹۲۱ء کے سترہ سال بعد ۱۹۳۸ء میں اس کام کے لیے ملک العلماء اُٹھ کھڑے ہوئے اور 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' کی چار جلدیں لکھ ڈالیں۔ سید موصوف کے مواد کو بھی حسب ضرورت و موقع استعمال کیا اور ہر جگہ سید صاحب کا حوالہ دیا۔ ہندوستان کے متعدد علما، خاندان کے مقتدر حضرات، آپ سے عقیدت رکھنے والے اصحاب اہلِ تعلق، دینی مدارس اور خانقاہوں سے رابطہ کیا، خطوط استفسارات کیے مگر بہت کم لوگوں نے توجہ کی۔ ملک العلماء پوس بن ہوئے انھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ انھوں نے جمع کردہ تمام مواد کو پیش نظر رکھ کر ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' تالیف کی۔ دورانِ تالیف ہی اس کتاب کا پورا ہندوستان چشم براہ تھا۔ صاحبِ تذکرہ کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے صاحب سجادہ جو امام احمد رضا کے ممدوح و محترم بھی تھے، سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں مارہروی قدس سرہ کے خطوط سے اس شوق و جستجو کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے حضرت مصنف سے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کا مسودہ منگوا کر اپنے کتب خانے کے لیے اپنے قلم سے اس کی نقل تیار کی۔ ۱۹۳۸ء میں لکھی ہوئی کتاب ۱۹۵۵ء میں وہ بھی صرف مولانا سید ایوب علی بریلوی کی توجۂ خاص کی بدولت اور کراچی سے چھپی، اور وہ بھی صرف ایک ہی جلد۔ اس کی کمیابی کے باعث پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اسے لاہور سے قسط وار چھاپی۔ خدا جزائے خیر دے فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع

الرحمٰن رضوی کو کہ انہوں نے اس گنج گراں مایہ کو برآمد کیا، بڑی دیانت داری سے ایڈٹ کیا، جب ہندوستان سے یہ شائع ہوئی، تو لاہور سے پیرزادہ علامہ اقبال فاروقی نے اپنی مرتبہ 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' بھی پیش کردی۔ یہ سب کچھ تو ہوا، مگر ساٹھ ستّر سال بعد۔ ان چھ سات دہائیوں میں حیاتِ رضا، سوانح رضا، سیرتِ رضا، تذکرۂ رضا پر کم وبیش درجنوں کتب و مقالات تحریر کیے گئے۔ ان سب کتابوں، مقالوں کا ماخذ ومصدر بھی 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' ہے اور آئندہ جو کچھ اس موضوع پر لکھا جائے گا، اس کا اصل سرچشمہ یہی 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' قرار پائے گی۔

خطوطِ رضا کی تدوین وطباعت حیاتِ رضا ہی میں شروع ہوچکی تھی، اور کئی مختصر مجموعے شائع ہوچکے تھے، مگر سب کی نوعیت کتاب کی تھی اور وقت کے بطن سے اُبھرنے والے مسائل کی نزاکت تھی، بطور خطوط کی نیت نہ تھی۔ یہ پہلا موقع تھا، ملک العلماء نے خطوطِ رضا بطور خطوط 'مکتوباتِ امام اہلِ سُنّت' جمع کیا اور چھاپا۔ یہی عمل اوروں کے لیے نمونہ بنا اور بعض مکاتیب حضرت مجدد، مکتوباتِ امام احمد رضا، اکرامِ امام احمد رضا جیسی مستقل کتابیں سامنے آئیں۔ خطوط ومواد مشترک ہونے کی وجہ سے تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوسکا، تا آں کہ ابھی ابھی ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' کی دو جلدیں اور اس کا دوسرا حصّہ ''خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا'' کی دو جلدیں بصد اندازِ زیبائی اہلِ علم تک پہنچیں، جو تعداد ومواد اور کیف وکم ہر دو اعتبار سے سب سے جامع ترین مجموعۂ خطوط قرار دیا گیا۔ اس کام کی سیڑھی کا پہلا زینہ بھی ملک العلماء ہی کا فراہم کردہ ہے۔

اپنی تصنیفات کے اوّل طابع وناشر خود امام احمد رضا ہیں۔ دوسرا اہم ستون ملک العلماء ہیں۔ طباعت واشاعت کا تیسرا مضبوط پڑاؤ 'مطبع تحفۂ حنفیہ' پٹنہ ہے۔ ملک العلماء تصانیفِ رضا کے طابع وناشر بھی ہیں، جامع وفہرست ساز بھی ہیں اور تسوید وتبییض کار بھی۔

فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد کی ایک فہرست میری نظر سے گزری ہے، جو بخط ملک العلماء ہے۔ تحفۂ حنفیہ نے جو کتبِ رضا شائع کیں، اُن کی تعداد دوسو سے کہیں زائد ہوں گی ؛۱۳۱۲ھ کو بریلی میں میٹنگ ہوئی مجلس اہلِ سُنّت کا قیام ہوا، جس کی شاخیں پٹنہ، کلکتہ، بہار، امرتسر اور دیگر شہروں میں قائم کی گئیں۔ اس میٹنگ میں ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ رضوی شریک تھے، انہوں نے سب سے پہلے بریلی میں پریس قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس طرح کتبِ رضا کی طباعت کی راہ ہموار و آسان ہوئی، انہی ابتدائی پرانی بنیادوں پر 'سُنّی دارالاشاعت' مبارک پور نے زبردست تاریخی کارنامہ انجام دیا اور 'سُنّی دارالاشاعت' کی رکھی ہوئی بنیاد کی پشت پر کھڑے ہو کر 'رضا فاؤنڈیشن' لاہور نے ایک فلک بوس عمارت کھڑی کر دی۔ 'مطبع اہلِ سُنّت و جماعت' بریلی، 'مطبع تحفۂ حنفیہ' پٹنہ اور ملک العلماء کے ہاتھوں ہی مرتب کیے ہوئے مسوّدوں اور مبیضوں کی بنیاد پر ہی 'مرکزی مجلس رضا' لاہور اور 'ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی اور 'رضا اکیڈمی' ممبئی نے کام کیا اور بڑا کام کیا۔ علمی نظم کے ساتھ کیا، جدید نہج سے کیا، دانش ورانہ سطح پر کیا، بین الاقوامی سطح پر کیا، پھر چراغ سے چراغ جلتے گئے، روشنی پھیلتی چلی گئی، کئی ادارے اور وجود میں آئے اور کام کی رفتار بڑھ گئی۔ تاہم شاید امام احمد رضا کی وہ کسک پوری نہیں ہو سکی ہے، جو اُن کو اپنی کتب کے تعلق سے تھی، ابھی بھی ڈھیر سارے مخطوطات منتظر طباعت ہیں، اس لیے ابھی اور تندہی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ خیر ملک العلماء نے جس جگر سوزی اور دل داری سے فکرِ رضا کی مشاطگی کی ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کو اپنی کتابوں کی فکر نہیں تھی، کتبِ رضا کی فکر تھی، وہ اسی فکر میں دن رات بسر کرتے تھے، اس کا اندازہ ملک العلماء کے ان خطوط سے ہوتا ہے، جو انہوں نے مولانا سید ایوب علی لاہور، گوالیار کے ایک عالم دین، مارہرہ مقدسہ کے صاحبِ سجادہ تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری اور دیگر علما و ہمدردانِ اعلیٰ حضرت کو لکھے ہیں، اس لیے یہ بے دغدغہ کہا

جاسکتا ہے کہ آج جہاں کہیں اور جو بھی کام ہو رہا ہے، اس میں بالواسطہ یا بلا واسطہ ملک العلماء کی کاوشِ علمی ضرور کارفرما ہے۔

شملہ و آرہ میں ملک العلماء کا قیام بہت مختصر رہا ہے، عمر کا طویل طاقت ور حصہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ جس کو یونی ورسٹی کا درجہ حاصل تھا اور ہے، خانقاہِ کبیریہ سہسرام میں گزرا ہے، اخیر عمر کے دو سال دارالعلوم بحر العلوم، کٹیہار (قدیم پورنیہ) کو دیئے، تدریس کی اس طویل مدت میں ہزاروں شاگرد پیدا کیے، ان ہزاروں نے ہزاروں ہزار اور اب ان ہزاروں ہزار نے لاکھوں، جو ہند و سندھ تو کیا، زمین کے کناروں تک پہنچے اور دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کیے۔ یوں ملک العلماء کے شجر علمی کی شاخیں برصغیر کے باہر بھی افریقی، یورپی، امریکی جزائر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ امام النحو حضرت علامہ بلال احمد رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند، جو ساری عمر منظر اسلام بریلی کے منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے، اب چند برسوں سے ممبئی میں ہیں، ملک العلماء کے شاگرد ہیں۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند جنہیں جید اکابر علما برادری، فخریہ امامِ علم و فن اور خیر الاذکیا کے لقب سے یاد کرتی ہے، ملک العلماء ہی کے شاگرد ہیں۔ خواجہ اپنے آپ میں ایک جہانِ علم بھی ہیں اور جہانِ حیرت بھی، منطق، فلسفہ اور تمام علومِ غریبہ جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچتی ہے، میں ان کو امتیازِ خاص حاصل ہے، مگر فن کوئی بھی ہو، عقدہ کیسا بھی ہو، تمام لاینحل عقدوں کا حل انہی کا وصفِ خاص ہے۔ خواجہ صاحب کے شاگردوں میں ایک نام فقیہ النفس مناظر اہل سُنّت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کا ہے، ملک کے سارے مناظروں اور فقہی سیمیناروں میں اُن کی شرکت فیصلہ کن ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا نام مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر صاحب کا ہے جو ملک کے کئی ممتاز دارالعلوموں کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، جنہوں نے فنِ خطابت کو ایک نیا موڑ دیا، ایک نئی جہت دی۔ جب وہ خطاب فرماتے ہیں تو مَیں ابوالکلام آزاد کا نام تو نہیں

لوں گا، البتہ علامہ الشاہ پروفیسر سید سلیمان اشرف بھاگل پوری کا نام ضرور لوں گا۔ لگتا ہے سید والا قدسی صفات کا شخصی جاہ وجلال، فنی عروج وکمال اور زبان و بیان کی لطافت وشستگی ان پر سوار ہو چکی ہوتی ہے۔ جب وہ کنیڈی ہال علی گڑھ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہیں، تو پورا دانشور طبقہ اور طلبہ گوش برآواز ہو جاتے ہیں۔ مذہب، ادب، سماج، سیاست، تاریخ، موضوع کوئی سا ہو، اس کے ماہرین ششدر رہ جاتے ہیں اور یوں دَم سادھے سُنتے ہیں جیسے عالمِ بالا سے حضرت داغؔ کچھ فرما رہے ہوں۔ خواجہ صاحب کے شاگردوں میں تیسرا نام شارح کتب درسیہ، پیر طریقت حضرت مفتی محمد شبیر پورنوی صاحب کا ہے، جنہوں نے درسی کتابوں کی شروحات لکھ لکھ کر مدارسِ اہلِ سُنّت کے اساتذہ وطلبہ کو خود کفیل کر دیا اور غیروں کی شروحات سے بے نیاز بھی کر دیا ہے۔ کہاں تک ذکر کروں، تفصیل کا یہ موقع نہیں، بس ملک العلماء کے علمی فیضان کا معاملہ تو بس یہ ہے

ع کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

ملک العلماء ہیئت وتوقیت کے شہسوار نہیں، حدیث وتفسیر پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ فقہ وافتا اور کلام ومناظرہ اُن کا خاص میدان تھا۔ متعدد فنون وموضوعات، علمِ قرآن، اصولِ تفسیر، علمِ حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام ومناظرہ، عقائد، اخلاق، منطق، فلسفہ، تاریخ، سیرت، مناقب، فضائل، نصائح، نحو، صرف، ہیئت، توقیت، تکسیر، سوانح کوئی پچیسوں علم پڑھا بھی، پڑھایا بھی، اُن پر کتابیں لکھیں، شروح لکھیں، تراجم کیے، جن کی تعداد ستّر سے متجاوز ہے۔ اُن کی علمی سرگرمیوں اور قلمی کاوشوں کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ہر فن کے فنکار تھے، ہر فن مولیٰ تھے، فخر الاقران اور فائق الامثال تھے، ملک العلماء۔

یہ جائزہ یہ بتلانے کے لیے کافی ہے کہ ملک العلماء ہی رضویات کے معمارِ اوّل ہیں، اولین بنیاد گزار ہیں، رضویاتی مشن کے مؤسس اوّل ہیں۔ ان خصوصیات وامتیازات

میں ملک العلماء بالکل منفرد و ممتاز ہیں، یہ سب اُن کی اوّلیات ہیں۔ یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ ماضی سے کٹ کر نہ کوئی جی سکتا ہے، نہ ماضی کو کاٹ کر کوئی ایک قدم آگے بڑھ سکتا ہے، اس حقیقت کا بھلا کوئی کیوں کر انکار کر سکتا ہے۔

پس نوشت

فتاویٰ ملک العلماء۔۱۳۲۳ھ، ۱۳۲۴ھ

فتاویٰ کی یہ جلد اس وقت کی ہے، جب ملک العلماء بریلی میں امام احمد رضا کے زیر تربیت و تعلیم تھے، اس میں پہلا استفسار حافظ عبدالکریم اعظم گڑھ کا ہے، جس پر تاریخ ۱۵/محرم الحرام ۱۳۲۳ھ درج ہے۔ اس میں تمام سوالات و جوابات ۱۳۲۳ھ و ۱۳۲۴ھ کے ہیں۔ اس مجموعے میں دو تین مختصر فتاوے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بھی ہیں، اور اخیر دو سوال و جواب ۱۳۶۹ھ و بعد کے ہیں۔ پہلا ۳۰/ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ کا ہے، دوسرا ۱۲/ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ کا ہے۔ اس کے مستفتی جناب غلام دستگیر خان صدر جمعیت اہل سُنّت و جماعت بنگلور تھے۔

جامع الاقوال فی رویۃ الہلال۔۱۳۵۷ھ

اس کا موضوع بھی وہی ہے، جو ''عید کا چاند'' کا ہے، یعنی رویت ہلال کی شہادت کے معاملے میں خطوط، تار، ٹیلی فون وغیرہ شرعاً معتبر نہیں ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، تین فصول، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ فصلِ اوّل میں امام احمد رضا کا رسالہ 'طریق اثبات الہلال' محررہ ۱۳۲۰ھ نقل کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے، جس کے صفحات ۲۶/ ہیں۔ فصل دوم میں علمائے سابقین کے فتاویٰ و تصدیقات درج کیے گئے ہیں۔ تیسری فصل میں ہم عصر علما کے جوابات و تصدیقات ہیں۔ یہ رسالہ دراصل حضرت ملک العلماء کے ایک معاصر مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری اجھری (متوفی ۱۳۵۸ھ) کے رسالہ 'احسن المقال فی رویۃ الہلال' کا علمی ردّ ہے۔

جامع الاقوال کے صفحات ۱۹۱ ہیں۔ ۱۳۵۷ھ میں یہ رسالہ شمس پریس گورہٹہ پٹنہ سٹی سے طبع ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆

(روزنامہ' اردو ٹائمز' ممبئی ۴؍ جولائی ۲۰۰۸ء - ماہ نامہ جام نور دہلی، اگست ۲۰۰۸ء)

ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، ممبئی

ملک العلماء ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۸۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ کم وبیش ۸۰ سال کی عمر پائی۔ ان کے ۲۲؍برس حصولِ علم میں گزرے، انھوں نے کوئی ۵۸ یا ۶۰ سال دین، علمِ دین کی خدمت کی اور خوب کی۔ درس وتدریس، تعلیم وافادہ، تصنیف وتالیف، تقریر و مناظرہ، دعوت وتبلیغ، اصلاح وتذکیر، بیعت وارشاد، غرض ہر جہت سے انہوں نے دین واہلِ دین کی خدمت یوں کی کہ دین اور دین داروں کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ تعلیم وتدریس اور تالیف وتصنیف بطورِ خاص اُن کا میدان تھا۔ اس میدان میں وہ اپنے معاصرین میں ذروۂ کمال تک پہنچے۔

حدیث میں مشہور استاذ حدیث حضرت مولانا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی، معقولات میں مشہور معقولی عالم حضرت مولانا شاہ احمد حسن پنجابی ثم کان پوری اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اُن کے اساتذہ میں تھے۔ لیکن سب سے زیادہ علمی کمالات اور فنی برتری انہوں نے امام احمد رضا سے حاصل کی۔ ملک العلماء تو اس پر نازاں تھے ہی، امام احمد رضا کو بھی اپنے اس شاگرد پر بے حد ناز تھا۔ اس کا اظہار مکتوباتِ رضا سے بھی ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کے علوم وفنون کے وہ سچے جانشین تھے، افکار ونظریات کے بے باک ترجمان تھے، اُن کی تصانیف و تحقیقات اور منہج واسلوب سے یہ عیاں ہے۔ اُن کی تحریر ونگارش پر امام احمد رضا کے اسلوبِ تحقیق کی گہری چھاپ بھی دکھائی دیتی ہے۔ اُن کی علمی وفنی خوبیاں اتنی گوناگوں ہیں کہ وہ حقیقتاً مظہر اعلیٰ حضرت معلوم ہوتے ہیں۔

ملک العلماء تعدادِ علوم اور تعدادِ تصانیف میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا کے خلفا وتلامذہ میں یہ امتیاز کہیں اور نظر نہیں آتا۔ وہ کثیر التصانیف بزرگ تو تھے ہی، صاحب مآثر واخلاقِ حسنہ بھی تھے۔ انہوں نے ۱۳۲۲ھ سے لکھنا شروع کیا، جب عمر کی انیسویں بہار

تھی، طالب علمی کا عہد تھا۔ وہ بھی کوئی معمولی کتاب نہیں، حضرت قاضی عیاض مالکی کی 'کتاب الشفا' کی شرح لکھی، اردو میں نہیں، عربی کتاب کی شرح عربی زبان میں لکھی۔ یہ اُن کا آغاز تھا، اوّلین نقش تھا۔ پھر تو کتابوں پر کتابیں لکھتے گئے، تحقیقات وتراجم اور تعلیقات وشروح کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی۔ اُن کے رشحاتِ قلم کی تعداد ستّر سے بھی زائد ہے۔ پروفیسر مختارالدین احمد صاحب نے 'حیاتِ ملک العلماء' میں ستّر کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ حیاتِ ملک العلماء مرتبہ ڈاکٹر مختارالدین احمد شائع کردہ ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور (مئی ۱۹۹۳ء) میں تصانیف کی تعداد زائد ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں صرف ان تصانیف کا ذکر کیا ہے جو موجود ہیں یا جن کے وجود کا کہیں نہ کہیں ذکر ملتا ہے۔ امامِ علم وفن مظہر اعلیٰ حضرت حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے ہیں:- ملک العلماء کی تصانیف کی مطبوعہ فہرست میری نظر سے گزری ہے۔ جس میں ایک سو کتابوں کے نام درج تھے، وہ فہرست کسی کتاب کے آخر میں چھپی تھی۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب نے مکاتیب مفتی اعظم (علی گڑھ ۲۰۰۷ء) کے سرورق پر طارق مختار صاحب کی مرتب کردہ فہرست شائع کی ہے۔ اس میں ملک العلماء کی ۷۶/تصانیف کا مختصر تذکرہ ہے۔ 'مختار نامہ' مطبوعہ علی گڑھ کے مطالعے سے پتا چلا کہ ڈیڑھ سو کتب ورسائل کے مصنف تھے ملک العلماء۔ 'مختار نامہ' کے مرتبین ہیں ڈاکٹر عطا خورشید اور میر الٰہی ندیم (علی گڑھ)۔

کتاب خوانی آسان ہے، کتاب فہمی مشکل ہے۔ اسی طرح کتاب بینی آسان ہے، کتاب نویسی مشکل ہے۔ یہ مشکل اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب کہ وہ زیر تصنیف کتاب علمی، اُصولی، کلامی ہو۔ نقل واخذ اور مختصرات، ملخصات، مقتبسات سے کتاب تیار کر لینا کوئی مشکل نہیں۔ مشکل تو جب ہے کہ وہ کتاب کسی خاص دقیق فن میں ہو، متنی تحقیق، مخطوط شناسی، فنِ تدوین کے اصول وقواعد کی رعایت بھی کرتا ہو۔ ملک العلماء اس خصوص میں

خاصے منفرد تھے۔ اُن کی کتابیں، نقل واقتباس کا مجموعہ نہیں، تحقیقاتِ عالیہ وتدقیقاتِ غالیہ کا مرقع ہیں۔ جس طرح امام احمد رضا کی عام تحقیقات کے سمجھنے سے زمانہ قاصر ہے، اسی طرح ملک العلماء کی بعض تحقیقات سے علماے عصر حیران وششدر ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جائزے میں درسی، غیر درسی، تصنیف، تالیف، تحقیق، ترجمہ، تعلیق، تشریح، تاریخ، تذکرہ، سیرت، سوانح، فضائل ومناقب، شجرونسب سب شامل ہے۔ ابتدا درسی کتابوں سے کرتے ہیں۔

درسِ نظامیہ کی پہلی جماعت کی پہلی کتاب 'میزان' ہے۔ یہ علمِ صرف میں ہے۔ ملک العلماء نے علمِ صرف میں ایک کتاب لکھی ہے، اس کا نام 'عافیہ' ہے۔ علمِ نحو میں چار (۴) کتابیں لکھی ہیں۔ پہلی 'وافیہ' ہے، دوسری 'التعلیق علی مغنی اللبیب' ہے، تیسری 'القصر المبنی علی بناء المغنی' ہے۔ علمِ منطق میں ایک کتاب لکھی ہے، نام 'تقریب' ہے۔ علمِ فلسفہ میں دو کتابیں لکھی ہیں، پہلی 'تہذیب' ہے، دوسری 'الانوار الامعۃ من الشّمس البازغۃ' ہے۔ علمِ کلام میں ایک کتاب ہے، نام 'الفوائد التامۃ فی اجوبۃ الامور العامۃ' ہے۔ فنِ حدیث میں تین کتابیں لکھی ہیں، پہلی حضرت قاضی عیاض کی 'کتاب الشفا شریف' کی شرح ہے، دوسری 'نزول المکیۃ باسانید الاجازۃ المتینۃ' ہے، تیسری 'الجامع الرضوی معروف بصحیح البہاری' ہے۔ اصولِ حدیث میں اکلوتی کتاب 'الافادۃ الرضویۃ' ہے۔ فقہ میں پندرہ کتابیں تحریر کی ہیں، اصولِ فقہ میں وہی ایک کتاب ہے، اس کا نام 'تسہیل الوصول الی علم الاصول' ہے۔ ردّ ومناظرہ میں دس کتابیں تحریر کی ہیں۔ فنِ ہیئت، توقیت، ریاضی، تکسیر میں سات کتابیں ہیں۔ تاریخ وتذکرہ، اخلاق ونصائح، فضائل ومناقب، انساب میں قریب بیس کتابیں ہیں۔ موضوعی اعتبار سے ایک خام فہرست یہ ہے:

(۱) عافیہ (۲) وافیہ (۳) التعلیق علیٰ شروح المغنی (۴) القصر المبنی علیٰ بناء المغنی

(۵)تقریب (۶)تہذیب (۷)الانوارالامعۃ من الشّمس البازغہ

(۸)الفوائدالتامہ فی اجوبۃ الاموالعامہ

(۹)شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ

(۱۰)الجا مع الرضوی معروف بصحیح البهاری

(۱۱)نزول المکیه با سانید الاجازات المتینه

(۱۲)الا فا دات الرضویه

(۱۳)التعلیق علی القدوری۱۳۲۵ه

(۱۴) تسهیل الا صول الی علم الا صول

(۱۵) نا فع البشر فی فتا ویٰ ظفر

(۱۶) تحفةالا حباب فی الکوّ ة والباب ۱۳۲۶ه

(۱۷) مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس۱۳۲۳ه

(۱۸) اعلام المساجد بعر ف جلو د الاضحیة فی المساجد ۱۳۲۵ ه،غیر مطبوعه

(۱۹) بسط الراحة فی الخطر والا با حة ۱۳۲۶ه، غیر مطبوعه

(۲۰) الفیض الرضوی فی تکمیل العر بی۱۳۲۶ ه غیر مطبو عه

(۲۱) القول الا ظهر فی الا ذان بین یدی المنبر۱۳۳۳ ه غیر مطبو عه

(۲۲) نها یة المنتهی فی هدا یة المبتدی ۱۳۴۳ه غیر مطبو عه

(۲۳)مفرة الا صحاب با قسام ایصال الثواب۱۳۵۴ه مطبو عه

(۲۴) تنویرالمصباح عند حیّ علی الفلاح ۱۳۷۱ه،مطبوعه

(۲۵) اصلاح ا لایضاح

(۲۶) مجموعه فتا ویٰ
(۲۷) جامع الاقوال فی رو یة الهلال۱۳۵۷ھ،مطبو عه
(۲۸) هادی الهداةلترک الموالات ۱۳۳۹ھ غیر مطبوعه
(۲۹) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول۱۳۲۳ھ غیر مطبوعه
(۳۰) سجم اللنزه علی الکلاب الممطره ۱۳۲۸ھ غیر مطبوعه
(۳۱) النبراس لدفع ظلام المنهاس ۱۳۲۹ھ غیر مطبوعه
(۳۲) رفع الخلاف من بین الا حناف۱۳۲۲ھ،غیر مطبوعه
(۳۳) کشف الشور عن مناظرۂ رام پور ۱۳۳۲ھ غیر مطبوعه
(۳۴) ظفرالدین الجیّد ۱۳۲۳ھ،مطبوعه
(۳۵) ظفرالدین الطیّب ۱۳۲۳ھ،مطبوعه،بریلی
(۳۶) شکست سفاهت۱۳۲۶ھ،مطبوعہ بریلی
(۳۷) گنجینۂ مناظرہ۱۳۳۴ھ بریلی
(۳۸) بدرالاسلام لمیقاة کل الصلوٰةوالصیام ۱۳۳۵ھ غیر مطبوعه
(۳۹) مؤذن الاوقات۱۳۳۵ھ مطبوعہ متعدد مقامات
(۴۰) توضیح الافلاک المعروف بسلّم السماء۱۳۴۰ھ غیر مطبوعه
(۴۱) مشرقی کا غلط مسلک۱۳۸۴ھ مطبوعہ،اعظم گڑھ
(۴۲) الاکسیر فی علم التکسیر۱۳۳۷ھ غیر مطبوعه
(۴۳) الجواهر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بتوضیح التوقیت ۱۳۳۰ھ مطبوعه مرادآباد
(۴۴) مشرقی اور سمت قبلہ ۱۳۵۸ھ مطبوعہ اعظم گڑھ

(۴۵) حیز السلوک فی نسب الملوک ۱۳۳۲ھ غیر مطبوعہ

(۴۶) تنویر السراج فی ذکر المعراج ۱۳۵۲ھ مطبوعہ وغیر مطبوعہ

(۴۷) مولود رضوی ۱۳۶۰ھ غیر مطبوعہ

(۴۸) تحفۃ العظماء فی فضل العلما ۱۳۶۵ھ مطبوعہ

(۴۹) حیات اعلیٰ حضرت ۱۳۶۹ھ چار جلد مطبوعہ

(۵۰) النور والضیا فی سلاسل الاولیا غیر مطبوعہ

(۵۱) مکاتیب ملک العلماء، قلمی

(۵۲) مبین الہدی فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۳ھ غیر مطبوعہ

(۵۳) تحفۃ الحبار فی اخبار الاخیار ۱۳۳۷ھ غیر مطبوعہ

(۵۴) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام ۱۳۴۱ھ، غیر مطبوعہ

(۵۵) المجمل المعدّد لتا لیفات المجدّد ۱۳۲۷ھ مطبوعہ پٹنہ، لاہور

(۵۶) جواھر البیان فی ترجمۃ خیر الحسان ۱۳۳۳ھ مطبوعہ کلکتہ، لاہور، ترکی

(۵۷) سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العیون ۱۳۳۸ھ مطبوعہ پٹنہ

(۵۸) دلچسپ مکالمہ ۱۳۴۷ھ غیر مطبوعہ پٹنہ

(۵۹) زواج الایامیٰ ۱۳۴۵ھ غیر مطبوعہ

(۶۰) تد بیر اکثریت ۱۳۴۷ھ مطبوعہ پٹنہ

(۶۱) تنویر السراج فی ذکر المعراج ۱۳۵۳ مطبوعہ و غیر مطبوعہ

(۶۲) سد الفرار لمھاجری بہار ۱۳۶۶ھ مطبوعہ، پٹنہ

(۶۳) چودھویں صدی کے مجدد ۱۳۶۷ھ مطبوعہ، رام پور، لاہور، دیناج پور

(۶۴) ندوۃ العلما ۱۳۳۸ھ، مطبوعہ، رام پور

(۶۵) رسالہ مطبوعہ، مبارکپور

(۶۶) التحقیق المبین لکلمات التر بین

(۶۷) اطیب الاکسیر فی علم التکسیر ۱۳۳۰ھ غیر مطبوعہ

(۶۸) معظم المبانی فی حروف المعانی ۱۳۳۷ھ غیر مطبوعہ

(۶۹) عید کا چاند ۱۳۵۲ء مطبوعہ دہلی

(۷۰) مکتوبات مشاہیر بنام ملک العلماء (یہ ذخیرہ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے)

بعض کتابوں کا قدرے تفصیلی تعارف یہ ہے، آغاز پھر درسی کتابوں سے کرتے ہیں۔ درسِ نظامیہ کے نصاب کا تعین ملا نظام الدین سہالوی نے صدیوں پہلے کیا تھا۔ درس و تعلیم کی مدت سولہ سال تھی۔ تقاضائے وقت کے لحاظ سے گھٹتے گھٹاتے اب آٹھ سالہ مدت رہ گئی ہے۔ داخلِ درس کتابوں میں بھی کافی ردّوبدل ہوتا رہا ہے۔ آج کے دور میں یہ مدت اور نصاب پھر زیر بحث ہے۔ نصاب کی تبدیلی پر بطور خاص غور وخوض کیا جا رہا ہے۔ دقیق درسی کتابوں کی تسہیل پر زور دیا جا رہا ہے۔ مختصرات وملخصات کی تیاری بھی زیر غور ہے۔ اسی طرح حواشی، تعلیقات، تشریحات کی بھی ضرورت پیش نظر ہے۔ ان تقاضوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے، تو سواد اعظم کے خیمے میں ملک العلماء وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے ان تقاضوں کو آج سے قریب نوّے سال پہلے محسوس کر لیا تھا اور صرف، نحو، منطق، فلسفہ کے خلاصے تیار کر دیئے تھے۔ یہ خلاصے ومختصرات ٹھیک آج کی ضرورت کے عین مطابق ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کے ارباب ومجاز اور نصاب ساز حضرات ملک العلماء کی دی ہوئی گائڈ لائن سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ الگ سے لکھنے لکھانے، سر کھپانے سے بھی نجات مل سکتی ہے۔

یہ وہ اہم چیزیں ہیں جن کی نقلیں لے کر اس دور میں طلبہ پڑھا کرتے اور اساتذہ استفادہ کرتے تھے۔ خیر یہ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔ اس جملۂ معترضہ (جو نہایت اہم) کے بعد درسی و غیر درسی کتب و رسائل پر ایک تعارفی نظر ڈالتے ہیں۔

۱) عافیہ، سن تصنیف ۱۳۳۵ھ، موضوع علمِ صرف ہے۔ اردو زبان میں نہایت عام فہم، آسان انداز میں لکھی گئی ہے۔ مبتدی طلبا کی استعداد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ 'میزان' سے 'شافیہ' تک کے مسائل کا باحسن اسلوب احاطہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مطبع حسنی پریس بریلی سے شائع ہوئی ہے صفحات کی تعداد ساٹھ (۶۰) ہے۔

۲) وافیہ، سن تصنیف ۱۳۳۵ھ ہے موضوع علمِ نحو ہے۔ علمِ نحو میں یہ کتاب بے مثال و بے نظیر ہے، زبان وہی آسان عام فہم ہے۔ پیرایۂ بیان دل نشیں ہے۔ 'نحو میر' سے 'مغنی اللبیب' تک کے نحوی قواعد، مسائل مثالیں دے دے کر ذہن نشیں کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ صفحات کی تعداد ۱۲۸ ہے۔

۳) التعلیق علی شروح المغنی، سن تحریر ۱۳۳۱ھ ہے۔ موضوع وہی علمِ نحو ہے۔ مشہور زمانہ نحوی کتاب 'مغنی اللبیب' پر جتنی متداول شرحیں لکھی گئی ہیں، ان تمام شروح پر ملک العلماء نے تعلیقات لکھی ہیں، اس کی زبان عربی ہے۔

۴) القول المبنی علی بناء المغنی، سال تحریر ۱۳۳۶ھ ہے۔ یہ عربی زبان میں 'مغنی اللبیب' کی شرح ہے۔ یہ کتاب ناقص الآخر ہے، اس کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ قلمی نسخہ کتب خانۂ خاص میں موجود ہے۔

۵) معظم المبانی فی حروف المعانی، ۱۳۳۷ھ سن تالیف ہے۔ اس کا موضوع بھی وہی علمِ نحو ہے، اس کا بھی قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

۶) **تقریب**، ۱۳۳۵ھ کی تصنیف ہے۔موضوع علمِ منطق ہے۔زبان وہی عام فہم، سلیس وسادہ ہے۔انداز وہی دل نشیں ہے۔منطق کی سب سے چھوٹی کتاب 'صغریٰ' سے منطق کی بڑی کتاب "سلم" تک کے مسائل پر حسین پیرائے میں گفتگو کی گئی ہے۔

۷) **تذہیب**، یہ بھی ۱۳۳۵ھ کی تصنیف ہے،اس کا موضوع علمِ فلسفہ ہے۔علمِ فلسفہ کے جملہ ابتدائی مسائل کوحاوی ہے۔زبان وہی اردو ہے۔اسلوب وہی آسان وعام فہم ہے۔

۸) **الانوار الامعۃ من الشّمس البازغہ**، ۱۳۵۷ھ کی تصنیف ہے۔موضوع ظاہر ہے،فلسفہ ہی ہے۔فلسفہ کی مشہور اور اہم کتاب "شمس بازغہ" کے اہم مسائل ومباحث کی اس میں تشریح کی گئی۔طلبا کی تقریب فہم کے لیے سوال وجواب کی صورت میں لکھی گئی ہے۔۴۷/ سوالات وجوابات ہیں۔تقطیع کلاں،صفحات کی تعداد ۴۲/ ہے۔مخطوطہ موجود ہے۔

۹) **الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامۃ**، ۱۳۵۷ھ کی تصنیف ہے۔اس کا موضوع علمِ کلام ہے۔یہ بھی اہم درسی کتاب ہے۔طلبا کو علمِ کلام کے اہم مباحث ومسائل کو آسان انداز میں سمجھانے کے لیے وہی سوال وجواب کی صورت اپنائی گئی ہے۔خطی نسخہ بخط مصنف موجود ہے۔

ملک العلماء نے فنِ حدیث میں قریب پانچ چھ کتابیں لکھی ہیں۔اس میں سے دو کا تعلق براہِ راست مدارس اسلامیہ کے نصاب سے ہے۔اس طرح فنِ فقہ وفتاویٰ میں قریب بیس کتب ورسائل تصنیف کیے ہیں۔ان میں سے ایک کا تعلق نصاب درسِ نظامیہ سے ہے۔ تینوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۰) **الجامع الرضوی معروف بصحیح البھاری**، ۱۳۴۵ھ کی تصنیف ہے۔اس تصنیف کی غرض ہی نصاب نظامیہ کی تکمیل تھی اور ہے رسم جلد اس کو نصابِ درس میں شامل کرلینا چاہیے۔اس کا ذکر ذرا بعد میں ہم پھر کریں گے۔

١١) الافادات الرضویہ، ۱۳۴۴ھ کی تالیف وترتیب ہے۔ موضوع اصولِ حدیث ہے۔ علمِ حدیث میں یہ وہ علمی واصولی فوائدوافادات ہیں جن کو ملک العلماء نے امام احمد رضا سے لیے، یادداشت کے طور پر لکھ بھی لیے، جو اُن کا طریقہ تھا۔ بعد میں انھیں مرتب کردیئے۔ بعید نہیں، یہی فوائد ملک العلماء 'صحیح البہاری' کے مقدمے میں منظّم شکل میں پیش کردیئے ہوں۔ بہرکیف یہ فوائد آج بھی منتشر اوراق میں موجود ہیں۔ مذکورہ مقدمہ اوران اوراقِ منتشرہ کو سامنے رکھ کر اصولِ حدیث کی بہترین کتاب تیار کی جاسکتی ہے، جو اپنی افادیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہوگی۔

١٢) تسہیل الوصول الی علم الاصول، یہ ۱۳۴۸ھ کی تصنیف ہے۔ قلمی نسخہ موجود ہے اس کا موضوع اصولِ فقہ ہے۔ ملک العلماء کی طبع اخاذ سے بعید نہیں، جس طرح انہوں نے اصولِ حدیث کے فوائد امام احمد رضا سے سُن کر جمع کیے، ہیئت، توقیت، ریاضی کے بہت سے قواعد، مسائل سُن کر ہی بعد میں ضبطِ تحریر میں لائے۔ اسی طرح ملک العلماء فقہ کے بارے میں بھی جو فوائد ونکات انہوں نے امام احمد رضا سے سنے، بعد میں ترتیب دے دی ہو۔ یا خود بھی فقیہ ومفتی تھے، خود سے ہی لکھی ہو، مگر بافیض استاد کا فیض تو ہوتا ہی ہے۔

یہ بارہ کتابیں ہیں جو درسیات سے متعلق ہیں۔ ان میں تصنیف بھی ہے، تالیف بھی، تشریح بھی ہے، تعلیق بھی۔ ان میں بیشتر ایسی ہیں جو دورِ حاضر کی نصابی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ ان علمی، فنی، اُصولی کتابوں سے ملک العلماء کی درسی ونصابی صلاحیت ومہارت بھی بخوبی واضح ہوتی ہے۔ مدرسہ منظر اسلام بریلی کو چھوڑ کر جو اُن کا آغازِ تدریس کا زمانہ تھا، جہاں کہیں رہے مدرسِ اعلی رہے، صدر المدرسین رہے، پرنسپل رہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر ہی ان کا میدان رہا۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، توقیت، ریاضی تو ان کے پسندیدہ موضوعات تھے ہی۔ اس میدان میں تمام علمائے عصر کے مرجع ومقتدا رہے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، جو برطانوی

عہد کی مشہور درس گاہ تھی اس کے تدریسی ونصابی جملہ اُمور کے انجام دینے میں ملک العلماء کا پورا تعاون حاصل رہا۔ مدرسہ وخانقاہِ کبیریہ سہسرام میں یہی حال رہا۔ جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ ان صلاحیتوں کو خود امام احمد رضا نے بھانپ لیا تھا، جانچ لیا تھا۔ تبھی تو لاہور کے خلیفہ تاج الدین کو لکھا، تمام خصوصیات کا ذکر فرمایا اور اپنے نفس پر ایثار کر کے ملک العلماء کو انجمن نعمانیہ لاہور بھیجنے کی آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ تدریس، تصنیف، مناظرہ جہاں کہیں جیسی ضرورت آن پڑی، اطرافِ ہند لاہور، شملہ، آرا، پٹنہ، سہسرام، کلکتہ، راندیر، مدراس امام احمد رضا نے انہیں بے دغدغہ روانہ کیا اور وہ ملک العلماء ہی تھے جنہوں نے میدان جیسا بھی رہا، سر کر کے ہی چھوڑا۔ امام احمد رضا نے جس اعتماد کا اظہار کیا، ملک العلماء نے اسے نبھایا ہی نہیں، زائد ہی کر دکھایا۔ مدرّس، مفتی، مصنف، مناظر، خطیب، واعظ، ان خصوصیات کا ذکر امام احمد رضا نے اس وقت فرمایا جب ملک العلماء فاضل نوجوان تھے۔ جب نوجوانی کا یہ عالم تھا، تو پختہ عمری میں بالغ نظری کا عالم کیا رہا ہوگا۔ عافیہ، وافیہ، تقریب، تذھیب وغیرہ جو ۱۳۳۵ھ، ۱۳۳۶ھ کی تصانیف ہیں۔ یہ ساری درسی کتابیں امام احمد رضا کی نظر سے گزریں اور امام احمد رضا نے ان کتابوں کو سراہا بھی۔ یہ نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ ان مذکورہ کتابوں میں سے بیشتر جو نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہیں، زمانے کی گرد جھاڑ کر انھیں داخلِ نصاب کر لیا جائے۔ پس وپیش سے قوم پسپا ہوتی ہے۔ قبول میں عافیت ہے۔ استرداد میں اضطراب ہے۔ درسی ونصابی میدان میں بھی ملک العلماء کی ایک اہم خصوصیت ہے جو ان معاصرین میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔

اب ایک نظر ان کتابوں پر، جو ملک العلماء نے اپنے عہدِ تحصیل ہی میں تحریر فرمائی۔ یہ بھی ملک العلماء کا انتہائی اہم امتیاز ہے، سب جانتے ہیں اُس دَور میں درسی کتابوں ہی کا سمجھنا، سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ قلم پکڑنا، وہ بھی تشریح وتعلیق کی حد تک، یہ بھی

نہیں کہ وہ کتابیں عام فہم ہوں۔ اہم کتابوں کی شرح وتعلیق لکھی، وہ بھی اردو نہیں، عربی زبان میں۔ اسی طرح ردّ ومناظرہ میں سوالات مرتب کرنا، مخاصم سے بحث کرنا اور لاجواب کر دینا۔ ملک العلماء کی خاص باتیں بھی اپنے ہم عصروں میں منتخب ہونے کی کھلی شہادت ہے۔ کیوں کہ یہ وصف اُن کے کسی بھی معاصر کی سیرت وسوانح میں نظر نہیں آتا۔ ملک العلماء ہی اس میں بالکل انفرادی شان لیے دکھائی دیتے ہیں۔

۱۳) (۱) شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۱۳۲۴ھ کی کاوش ہے۔ سنِ فراغت ۱۳۲۵ھ ہے۔ سیرتِ رسول اکرم پر حضرت قاضی عیاض بن موسیٰ (م۵۴۴ھ) کی مشہور تصنیف 'کتاب الشفاء شریف' کی شرح ملک العلماء نے لکھی اور عربی زبان میں لکھی، مخطوطہ بخط شارح محفوظ ہے۔

۱۴) (۲) التعلیق علی القدوری، یہ تعلیق ۱۳۲۵ھ میں لکھی اور عربی زبان میں لکھی۔ درسِ نظامیہ کی یہ فقہی کتاب ہے۔ اس پر یہ تعلیق اہمیت کا حامل ہے۔

۱۵) (۳) ظفر الدین الجیّد، ۱۳۲۳ھ کی کوشش ہے۔ علماے بریلی و دیو بند کے اختلافات ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ امکانِ کذبِ باری تعالیٰ، علمِ غیب رسول اور دوسرے مسائل پر ملک العلماء نے بیس سوالات مرتب کیے۔ تحریر کی تاریخ ۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ ہے۔ اشرف علی تھانوی جو اُس وقت بریلی میں موجود تھے، اُن کے روبرو پیش کیا، اس رسالے میں دونوں کی ملاقات و بحث و مذاکرہ کی کیفیت درج ہے۔ یہ کتاب اس زمانے میں مطبع اہلِ سُنّت وجماعت بریلی سے چھپی بھی ہے۔

۱۶) (۴) ظفر الدین الطیّب، یہ بھی ۱۳۲۳ھ کی کوشش ہے۔ یہ ظفر الدین الجید کے بعد کی تحریر ہے۔

۱۷) (۵) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، سال تصنیف ۱۳۲۳ھ ہے،

کتاب کے آخر میں امام احمد رضا کی تقریظ بھی ہے۔قریب سو صفحے کا یہ رسالہ دوسری بار ترتیبِ جدید کے ساتھ 'عرس کی شرعی حیثیت' کے عنوان سے ادارہ افکارِ حق بائسی، پورنیہ کے اہتمام میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۸) (۶) اعلام المساجد بمعروف جلود الاضحیۃ فی المساجد، یہ ۱۳۲۵ھ کی تصنیف ہے۔ جو غیر مطبوعہ ہے۔عنوان کتاب سے موضوع ظاہر ہے۔

۱۹) (۷) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول، سال تحریر ۱۳۲۳ھ ہے۔موضوع علم غیبِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔غیر مطبوعہ ہے۔

۲۰) (۸) مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ کی تصنیف ہے۔موضوع وہی امتناع نظیر کا اثبات ہے اور امکان مثلِ مصطفیٰ کا ابطال ہے۔یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۲۱) (۹) الافادات الرضویہ، اس کا موضوع اصولِ علمِ حدیث ہے۔یہ وہی فوائد و نکات ہیں، جو ملک العلماء نے امام احمد رضا سے دورانِ درس سماعت کی۔یہ اور بات ہے کہ ترتیب واضافے کا کام بعد میں ہوا۔

۲۲) (۱۰) تسہیل الوصول الی علم الاصول، اس کا موضوع علمِ اصولِ فقہ ہے۔عجب نہیں یہ بھی 'الافادات الرضویہ' کے طرز پر ترتیب دی گئی ہو۔یہ دس کتابیں ملک العلماء کے عہدِ طالب علمی کی یادگار ہیں۔کتابوں کے اسما اور موضوعات سے واضح ہے کہ یہ کس قدر اہم ہیں۔

۲۳) صحیح البہاری۔علمِ حدیث ملک العلماء نے اُس وقت کے سب سے مشہور ترین اساتذۂ حدیث سے حاصل کیا۔ایک تو وہی مشہور استاذِ حدیث حضرت مولینا شاہ وصی احمد محدث سورتی تھے، دوسرے بقول علمائے عرب راس المحدثین والمصنفین امام احمد رضا تھے۔علمِ حدیث، تفسیر، فقہ سے ملک العلماء کو خصوصی شغف تھا۔ان تینوں میں وہ مہارتِ تامہ

رکھتے تھے۔فنِ حدیث میں ملک العلماء نے پانچ چھ کتابیں تصنیف کیں۔ان میں سب سے اہم اور معتبر 'صحیح البہاری' ہے۔اس کی عظمت واہمیت کے لیےفنِ حدیث کا ہونا ہی کافی سے زائد ہے۔دوسری اہمیت اس کی یہ ہے، یہ کتاب جماعتِ حنفیہ اورسوادِاعظم کے لیے نعمت غیرمترقبہ سے کم نہیں۔اس لیے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ یہ کتاب فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کی گئی ہے اورتمام فقۂ حنفی کے مسائل کی مستدل احادیثِ صحیحہ معتبرہ ومستندہ یکجا جمع کردی گئیں۔صحراسرکرنے اوردریاعبورکرنے کی حاجت باقی ہی نہ رہی۔اس کتاب نے حنفی مسائلِ فقہ کے استخراج واستنباط میں علماوطلبائے احناف کودوسری کتبِ احادیث کے دفاتر چھاننے، کھنگالنے سے بے نیازکردیا۔

اس سے قبل فقۂ حنفی کی تائید میں حضرت شیخ محدث دہلوی (۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ) نے 'فتح المنان فی تائید مذہب النعمان' لکھی تھی۔اس کے دونسخے جامعہ ملیہ اسلامیہ اوردارالعلوم مئوناتھ بھنجن کے کتب خانوں میں ہیں۔اس نوع کی دوسری کوشش علامہ سید شاہ محمد مرتضٰی زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ۔۱۲۰۵ھ) کی ہے۔جنہوں نے 'عقودالجواہرالمنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ' تحریرکی۔اس طرز کی تیسری کتاب 'آثارالسنن' بھی ہے۔جس کے مصنف مولانا ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸ھ۔۱۳۲۲ھ) ہیں۔۳۱۱ صفحات کی کتاب 'آثارالسنن' ۱۳۱۸ھ میں قومی پریس لکھنؤ سے چھپی۔بعض مدارس کے نصاب میں شامل بھی ہوئی۔شاید اب بھی کہیں داخلِ نصاب ہو۔ان سب کے باوجود علمائے احناف کی وہ ضرورت پوری نہ ہوسکی۔خالص محدثانہ طرز پرکئی مجلدات پرمشتمل یہ 'صحیح البہاری' ہی ہے جواس ضرورت کو پورا کرتی ہوئی نظرآتی ہے۔چونکہ یہ کتاب عقائد، اعمال، عبادات، معاملات تمام شعبوں کومحیط ہے،اس میں وہ تمام احادیث وآثاراکھٹے جمع ہیں جن پر مذہبِ احناف کی پوری عمارت کھڑی ہے اورفقۂ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہوجس کی سند استشہاد میں کوئی نہ کوئی خبر، اثر،

حدیث پیش نہ کی گئی ہو۔

سبھی خواص جانتے ہیں ملک العلماء نے اس کتاب کو خالص محدثانہ اسلوب میں چھ جلدوں پر مشتمل لکھنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے۔اس کے مجموعی صفحات قریب ایک ہزار ہیں اوراحادیث کی تعداد تقریباً دس ہزار ہیں۔ پہلی جلد کتاب العقائد ہے۔ دوسری جلد کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوٰۃ۔ تیسری جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم ہے، چوتھی جلد کتاب النکاح تا کتاب الوقف ہے۔ پانچویں کتاب البیوع تا کتاب الغصب ہے۔چھٹی جلد کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض ہے۔ دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ پر ہے۔ بر بنائے سہولت اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا حصہ جو کتاب الطہارۃ ہے، یہ ۱۹۳۱ء میں شیخ غفور بخش کے اہتمام سے ابوالعلائی الیکٹرک پریس آگرہ سے چھپا۔کتاب الصلوۃ کے بقیہ تین حصے سید منظر علی ندوی کے برقی پریس، سبزی باغ، پٹنہ سے شائع ہوئے۔جس کا دورانیہ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۷ء ہے۔ پھر ایک عرصۂ دراز کے بعد دوسری جلد کا عکسی ایڈیشن ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء میں حیدرآباد، سندھ پاکستان سے شائع ہوا۔

جب ’صحیح البہاری‘ چھپ کر سامنے آئی، تو اس وقت کے جید مستند علما نے ملک العلماء کو خوب خراج تحسین پیش کیا، پذیرائی کی اور کتاب کو علمِ حدیث کا بڑا علمی، دینی کارنامہ قرار دیا۔تقریظیں لکھیں، تبصرے لکھے۔ حضرت محدث سورتی کے تلمیذ رشید حضرت مولینا حکیم سعید الرحمٰن خان، حضرت مولینا مفتی عبدالقدیر عثمانی بدایونی پروفیسر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدرآباد، دکن، حضرت مولینا سید شاہ محی الدین زیب سجادہ نشیں خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف، حضرت مولینا سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری ناظم اعلیٰ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور، مدراس، حضرت مولینا شاہ حبیب الحق شاہ سجادہ نشیں خانقاہِ عمادیہ منگل تالاب

پٹنہ اور دیگر علماے عصر نے زبردست قلمی خراج تحسین و آفریں پیش کیا۔ حافظِ ملت حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی، سید شاہ سلیمان پھلواری، مولینا سعید احمد اکبرآبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، مولینا حیدر شریف مہتمم امداد المعارف، حیدرآباد، مولینا شاہ عزّ الدین پھلواروی، استاذ ادب ندوۃ العلما لکھنؤ، مولینا سید اصغر علی جعفری صدر مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین سنگی مسجد پٹنہ۔ وغیرہ نے 'صحیح البہاری' کی قدر و قیمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور مصنف علام ملک العلماء کی علمیت اور حدیث کی خدمت کے معترف و مداح رہے۔ اختلافِ عقاید کے باوجود مولانا سید سلیمان ندوی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ نے زبردست تبصرہ لکھا اور ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ میں چھاپا۔ مولینا عبدالماجد دریابادی نے کتاب پر کھل کر اظہارِ خیال کیا اور اپنے ہفت روزہ اخبار 'سچ' لکھنؤ میں شائع کیا۔ اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کتاب و صاحبِ کتاب کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالی اور اپنے ہفت روزہ اخبار 'اہلِ حدیث' امرتسر میں شائع کیا۔ امام احمد رضا کے محبّ مولینا حکیم معراج الدین احمد نے وقیع تبصرہ لکھا اور اپنے ہفت روزہ اخبار 'الفقیہ' امرتسر میں شائع کیا۔ غرض کہ ملک کے طول و عرض سے کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوئی۔ سُنّی، غیر سُنّی، مقلّد، غیر مقلّد تمام مکاتبِ فکر کے اہلِ علم نے 'صحیح البہاری' کو ایک شاندار علمی کارنامہ تسلیم کیا۔ بیسویں صدی عیسوی کا فنِ حدیث کا یہ عظیم الشان کارنامہ جو سوادِ اعظم کی اہم ترین نصابی ضرورت بھی ہے، آج پھر اہلِ سُنّت و جماعت کی خاص توجہ کا طالب ہے۔ اس حوالے سے کچھ اہم اشارے ہم نے اپنے مضمون 'ملک العلماء کی اوّلیات...... ایک چشم کشا تحریر' میں لکھ دیئے ہیں۔ جو روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی ۴؍جولائی ۲۰۰۸ء اور ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے زمانے کی سب سے زیادہ مشہور و پسندیدہ کتاب 'صحیح البہاری' کی جدید ترتیب

وتخریج اصولِ تدوین کی روشنی میں ہونی چاہیے اورحسنِ طباعت کے بعد مدارسِ اہلِ سُنّت کے نصاب میں داخل کرلینی چاہیے۔ یہ ضرورت بھی ہے اورزمانے کا تقاضہ بھی۔

ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، ریاضی، جومیٹری، الجبرا، علمِ مسطح، علمِ مثلث کروی، علمِ مناظر، علمِ مرایا، علمِ اکر، علمِ زیج، علمِ زائچہ وغیرہ ایسے بیسیوں علوم وفنون عجیبہ وغریبہ ہیں جن میں امام احمد رضا اپنے وقت میں تمام عرب وعجم، اکنافِ عالم کے تنہا مرجع وپیشوا تھے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بقدرِ کفاف یہ فنون حاصل کیے جس کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے ایک خط میں یہ کہہ کر کیا۔ 'یہ (ملک العلماء) فنِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں'۔ الغرض جس طرح امام احمد رضا اپنے دور میں متذکرہ فنون کے تنہا نہ صرف رمزشناس تھے، بلکہ واضع قواعدو شارح مسائل بھی تھے۔ اسی طرح ملک العلماء اپنے وقت میں ان علوم وفنون کے تنہا مرجع و مقتدا قرار پائے۔ پہلے وہ بریلی کے اوقاتِ صلوٰۃ وصوم وسحری کا نقشہ تیار کرتے تھے۔ بعد میں نینی تال، کان پور، بہار شریف، کلکتہ، گوالیار، بمبئی، لاہور، ملتان وغیرہ کے اوقات الصلوٰۃ والصوم کے نقشے اور جداول تیار کیے۔ ان میں سے کثیر جداول 'دبدبۂ سکندری' رام پور کی متعدد اشاعتوں میں شائع بھی ہوئے ہیں جو خاکسار کی نظر سے گذرے ہیں۔ کچھ رسالے ذاتی ذخیرے میں موجود بھی ہیں۔ ملک العلماء نے ہیئت وتوقیت میں سات آٹھ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہاں چند کتب ورسائل کا تعارف درج کیا جاتا ہے۔

۲۴) (۱) **الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت**، معروف بتوضیح التوقیت۔ فنِ توقیت میں ملک العلماء کی یہ پہلی تصنیف ہے جو ۱۳۳۰ھ میں لکھی گئی۔ اس میں نصف النہار، ضحوۂ کبریٰ، طلوع وغروب، عصر، ضرب ستینی، تقسیم ستینی، کستور اعتباریہ، جیب لوگارثمی، دھوپ گھڑی، سمت قبلہ اوراس نوع کے دوسرے اہم وعلمی مسائل سادہ وسلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ مثالیں بھی دی ہیں، نقشہ جات بھی درج کیے ہیں۔ اس کتاب تہد یہ ملک العلماء اپنے مخلص دوست

صدر الافاضل حضرت مولینا سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کے نام کیا ہے جنوری ۱۹۴۳ء میں یہ کتاب زیر اہتمام الحاج محمد ظہور نعیمی، اہلِ سُنّت برقی پریس مراد آباد سے شائع ہوئی ہے۔

۲۵) (۲) بدر الاسلام لمیقات کل الصلوۃ والصیام، یہ تاریخی نام ہے، جس سے ۱۳۳۵ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ یہ کتاب ایک تمہید، تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقصد اوّل: قواعد استخراجِ اوقات و بیان کتب ضروریہ۔

مقصد دوم: میل کلی ۲۳ درجے، ۲۷ دقیقے مان کر پٹنہ کے لیے نمازوں اور روزوں کے اوقات، جو تقریباً پچاس سال کے لیے کارآمد ہوں گے۔

مقصد سوم: عرض ۵/درجے سے ۲۷ درجے تک جملہ بلاد وقصبات و مشہور قریات کا پٹنہ سے فصل کا اس کا قدر منٹ یا سکنڈ گھٹانے یا بڑھانے سے ان تمام آبادیوں کے لیے وہی وقت کارآمد ہوگا۔

خاتمہ: اس میں فنِ زیج و توقیت کے نہایت نایاب وقیمتی مسائل ہیں۔ جن کا جاننا مسلمانوں کو ازبس ضروری اور غایت درجے مفید ہے۔ یہ کتاب سات جزو کی ہے۔ پورا رسالہ آج تک شائع نہیں ہوا ہے۔

۲۶) (۳) مؤذن الاوقات۔ یہ رسالہ ۱۳۳۵ھ میں لکھا گیا۔ ہندوستان کے لیے ۱۲/درجہ عرض سے ۲۴/درجہ عرض تک ۲۳/رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ جیسے جیسے یہ ضرورت درپیش آتی گئی، ملک العلماء 'مؤذن الاوقات' کے نسخے تیار کرتے رہے۔ درج ذیل دس شہروں کے اوقاتِ صلٰوۃ وصوم مختلف احباب کی ضرورت وفرمایش پر دس رسالے تیار

کیے۔ بمبئ......عرض ۴۲ درجہ، حسبِ فرمائش حضرت مولینا مفتی حشمت علی خان لکھنؤ، خطی نسخہ بخط ملک العلماء محفوظ ہے۔

کلکتہ......عرض ۲۲ درجہ، حسبِ فرمائش حضرت الحاج لعل محمد خان مدراسی، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ، یہ نسخہ بھی محفوظ ہے۔

بہار شریف......عرض ۲۵ درجہ..............................بخط مصنف محفوظ ہے۔

کان پور......عرض ۲۶ درجہ..............................// //

گوالیار......عرض ۲۶ درجہ حسبِ فرمائش حضرت مولینا امجد رضا خان قادری برکاتی تاریخ ترتیب یکم عید الفطر ۱۳۵۴ھ شائع ہو چکا ہے۔

بریلی......عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا حکیم حسنین رضا خان۔

نینی تال......عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا حامد رضا خان قادری۔

ملتان......عرض ۳۰ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا نیاز احمد قادری، لوہاری دروازہ، ملتان

لاہور..............عرض ۳۱ درجہ حسب فرمائش ابوالحسنات حضرت مولینا سید احمد مرکزی حزب الاحناف لاہور۔

ان میں بیش تر کے قلمی نسخے کتب خانۂ خاص میں موجود ہیں۔ قصبہ بہار شریف، کلکتہ، گوالیار، بریلی، نینی تال اور بمبئ کے نسخے کئی بار شائع ہوئے۔ پٹنہ اور اس کے اطراف کا مؤذن الاوقات کا چودھواں ایڈیشن ملک العلماء کی پوتی فریدہ مختار ایم اے (علیگ) نے رفاہِ عام کے لیے چھپوا کر مفت تقسیم کیا۔ خدا انھیں جزائے خیر دے۔

۲۷) (۴) توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء ۔ یہ ۱۳۴۰ھ کی تصنیف ہے۔ علمِ ہیئت کی یہ کتاب ایک مقدمہ، پانچ ابواب، ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ صفحات کی تعداد ۷۷/ ہے۔ قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

۲۸)　　(۵) مشرقی کا غلط مسلک، ۱۳۵۸ھ کی کاوش ہے۔ خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خان مشرقی (۱۸۸۸ء۔۱۹۶۳ء) کے رسالہ 'مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹'، کے ردّ میں ہے، جس میں مشرقی کے اس دعویٰ کا ردّ و ابطال علمی وفنی انداز میں کیا گیا ہے۔ مشرقی کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان کی تمام مسجدوں کی سمتِ قبلہ غلط ہے، اس کتاب کی اہمیت کی بنا پر سیّد سلیمان ندوی نے ماہ نامہ 'معارف'، اعظم گڈھ کے دو شماروں، جنوری، فروری ۱۹۴۰ء میں 'مشرقی اور سمتِ قبلہ' کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ رسالہ کتابی صورت میں اب تک شائع نہ ہو سکا۔ قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔ ملک العلماء ہیئت وتوقیت میں گویا سدرۃ المنتہی پر فائز تھے۔ اس فن سے شوق رکھنے والے اہلِ علم خط کتابت سے بھی اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ ایسے حضرات میں حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان استاذ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ (یہ مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی کا ایک حصہ ہے جو تقسیمِ ہند کے بعد تقسیم ہو کر ڈھاکہ منتقل ہوا) حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حضرت الحاج محمد ظہور احمد نعیمی مراد آباد مرید خاص صدر الافاضل حضرت مولانا شاہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے خطوط ومکتوباتِ مشاہیر بنام ملک العلماء قلمی میں موجود ہیں اور جن حضرات نے پٹنہ یا کٹیہار میں قیام کر کے ملک العلماء سے ان علوم وفنون میں اخذ واکتساب کیا، ان میں یہ تینوں نام خصوصیت کے حامل ہیں۔

حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی (متوفی ۱۹۷۱ء) سابق نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، حضرت مولینا نظام الدین بلیاوی مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد اور حضرت مولینا محمد یحییٰ بلیاوی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ اب ان فنون کے تنہا وارث وامین ملک العلماء کے شاگرد رشید مظہر اعلیٰ حضرت امامِ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند ہیں، خدا اُن کی عمر دراز فرمائے۔

رضویات کے حوالے سے ملک العلماء کی جو محنت ’جد و جہد‘ جاں سوزی، والہیت، وارفتگی اور گونا گوں خدمات ہیں، وہ اظہر من الشّمس ہیں، اس پر خاص گفتگو ’ملک العلماء‘ کی اوّلیات - ایک چشم کشا تحریر، میں ہو چکی ہے، جس کی پذیرائی ہند و پاک کے طول و عرض سے ہوئی۔ یہاں صرف دو چند کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۲۹) حیاتِ اعلیٰ حضرت، چار جلدیں، سن تالیف ۱۳۶۹ھ

۳۰) الجمل المعد دلتالیفات المجدد سن ترتیب وطباعت ۱۳۲۷ھ

رضویات سے شغف و اشتغال رکھنے والے ان دونوں کتابوں کی داستان بلبل رنگیں نوا سے خوب واقف ہیں۔ یہاں دونوں کا تذکرہ طولِ مبحث کا باعث ہوگا۔

۳۱) چودھویں صدی ہجری کے مجدد۔ سن تالیف ۱۳۶۷ھ۔

یہ طویل مقالہ پہلے پہل ہفت روزہ ’دبدبۂ سکندری‘ رام پور نے قسط وار چھ قسطوں میں (۳۰/اپریل ۱۹۴۰ء تا ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۸ء) شائع کیا۔ کتابی صورت میں ۱۹۸۰ء میں طبع ہوا۔ جس پر محققِ اہلِ سُنّت علامہ ڈاکٹر جلال الدین قادری کھاریاں، گجرات پاکستان کی تقدیم وتحشیہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے تمہید لکھی ہے۔ یہ اشاعت مکتبہ رضویہ لاہور کی ہے۔ اس کی تیسری اشاعت رضا دار المطالعہ گلشن آدابِ رضا متعلقہ الجامعۃ النظامیہ ملک پور ہاٹ، ضلع کٹیہار نے کی۔

۳۲) القول الاظہر من بین یدی المنبر۔ سن تالیف ۱۳۳۲ھ، اس موضوع پر ملک العلماء کا ایک فتویٰ ’دبدبۂ سکندری‘ رام پور میں بھی شائع ہوا ہے۔ خطوطِ رضا میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے۔

۳۳) ہادی الہداۃ لترک الموالات، سن تحریر ۱۳۳۹ھ ہے۔

تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت کے اُتار چڑھاؤ سے اہلِ نظر بخوبی واقف

ہیں۔ان تحریکوں کے مضر اثرات سے قوم کو متنبہ کیا۔جن خدشات کی نشان دہی امام احمد رضا اور ملک العلماء نے اپنی کتابوں، رسالوں میں کی تھی۔ بعد کو وہ صدفی صد درست نکلی۔ یہ کتاب امام احمد رضا کی نظر سے گزر چکی تھی۔خطوطِ رضا میں اس کتاب کے تعلق سے یہ جملے ملتے ہیں۔آپ کا رسالہ اب تک نہ دیکھ پایا، متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً............بہرحال اسے دیکھ کر اللہ چاہے، تو جلد واپس کرنے کا ارادہ ہے' اس کا قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

(۳۴) ندوۃ العلما۔ ۱۳۳۸ھ کی تصنیف ہے۔سید عبدالحئی ناظم ندوۃ العلما کی ایک سالانہ رپورٹ وروداد پر یہ تنقیدی تحریر ہے۔ یہ رسالہ ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور میں چھ سات قسطوں میں شائع ہوا ہے۔کتابی صورت میں اب تک چھپ نہیں سکا۔مؤخر الذکر تین کتابوں کا راست تعلق گو رضویات سے نہیں۔لیکن انہیں رضویات سے الگ رکھ کر دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔

(۳۵) عید کا چاند، ۱۳۷۰ھ کی تحریر ہے۔ملک العلماء کے ایک مرید خاص ماسٹر قیس محمد خان استاذ محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ کے سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا۔رویت ہلال کے بارے میں تار، ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس، اخبارات کی خبر شرعاً معتبر نہیں۔اس میں ۱۹۵ علمائے سابقین و معاصرین کی تحریرات و تصدیقات بھی درج ہیں۔ان کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے ہے۔اس میں امام احمد رضا کا نادر رسالہ جو چھ صفحوں پر مشتمل ہے، نقل کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے۔نام ہے، ازکی الہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال، مؤیدین کے اسما یہ ہیں، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، حضرت سید شاہ بدرالدین قادری سجادہ نشیں خانقاہِ حبیبیہ پھلواری، مولینا مفتی مظہر اللہ نقشبندی دہلوی، حضرت مولانا عبدالقادر فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مشہور غیر مقلد عالم سید

نذیر حسین دہلوی، معروف دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہی و اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع دیوبندی دارالافتا دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالخبیر صدر جماعت اہلِ حدیث پٹنہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ جناب قیس محمد خان نے اسے ۱۹۵۲ء میں ہی شاہ محمد صابر حسن خان صابری فاروقی کے زیرِاہتمام برقی پریس دہلی سے شائع کرایا تھا۔ صفحات کی تعداد ۱۱۱ر ہے۔ اس کا مخطوطہ بھی موجود ہے۔

۳۶) جواہرالبیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان فی مناقبت الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان۔ کا اردو ترجمہ ہے۔ جونویں صدی ہجری کے مشہور مصنف علامہ شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی اہم تصنیف ہے۔ حضرت مولانا لعل محمد خان مدراسی کلکتہ کی فرمائش پر ملک العلماء نے یہ ترجمہ کیا اور انہوں نے ہی اپنے مطبع اہلِ سُنّت و جماعت زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا۔ ترجمے کا سن بھی وہی ہے۔ دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن مکتبہ رضویہ نوریہ گلبرگ، لائل پور نے چھاپا۔ اسی طباعت کا عکسی ایڈیشن مکتبہ ایشیق استنبول، ترکی حضرت شیخ حسین حلمی بن سعید نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ یوں اس مقبول عام ترجمے کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ تاہم یہ اہلِ علم کی نظروں سے اوجھل ہے۔

۳۷) سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العیون، حضرت امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی مشہور آفاق تصنیف وشرح الصدور فی شرح حال الموتیٰ فی القبور کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ جو ملک العلماء نے اواخر ۱۳۳۸ھ میں کیا۔ اصل ترجمہ مع اضافہ مسائلِ ضروریہ صفحات ۱۱۲ر بخط مترجم محفوظ ہے۔

ملک العلماء کے وصال (۱۳۸۲ھ) کے بعد ۱۴۰۳ھ میں یہ ترجمہ پٹنہ ہی سے شائع ہوا۔ طابع و ناشر تھے ملک العلماء کے ایک جاں نثار عقیدت مند اور مرید خاص حضرت مولانا حافظ عبدالحفیظ صاحب ادارۂ شرعیہ پٹنہ۔

۳۸) سدّ الفرار بمہاجری بہار۔ ۱۳۶۶ھ کی تصنیف ہے۔ ۳۲ صفحے کا یہ رسالہ ربیع الاوّل شریف ۱۳۶۶ھ میں لکھا گیا، اسی مہینے میں طبع ہوا۔ دو ہزار کی تعداد میں لیتھو آرٹ پریس دریاپور پٹنہ سے شائع ہوکر دور دراز کے علاقوں تک تقسیم کرایا گیا۔ وجۂ تالیف اس کی یہ ہوئی، ۱۹۴۶ء میں بہار کے غیر مسلموں نے وہ سفاکیت، درندگی، بربریت کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ جس سے مسلمان دل برداشتہ ہوکر خاصی تعداد میں بنگال اور سندھ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ اس افراتفری کے ماحول میں ملک العلماء نے مسلمانوں کی ڈھارس یہ کتاب لکھ کر بندھائی اور مسلمانانِ بہار یک گونہ طمانیت محسوس کرنے لگے۔ یہ رسالہ 'ہجرتِ بنگال' کے نام سے بھی معروف ہے۔

دراصل اِس دَور میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان جو سیاسی تصادم تھا، وہ بھی مسلمانوں کے لیے خوف وہراس اور سراسیمگی کا باعث تھا۔ اس معاملے میں امام احمد رضا کے خلفا وتلامذہ اور وہ جو اُن کے زیرِ اثر تھے، دو خانوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ مسلم لیگ کا حامی تھا۔ جس کی قیادت صدرالافاضل حضرت مولانا شاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی فرما رہے تھے۔ دوسرا گروہ نہ مسلم لیگ کا حامی تھا، نہ کانگریس کا۔ اس کی اپنی اسلامی وشرعی پالیسی تھی۔ اس کی قیادت ورہنمائی امام احمد رضا کے پیرخانہ مارہرہ مطہرہ کے زیب سجادہ ممدوح امام احمد رضا تاج العلما حضرت مولانا سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری فرما رہے تھے۔ حضرت ملک العلماء حضور تاج العلما کے خیالات سے متفق تھے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں میں جو ابتری پھیلی، جانی و مالی نقصان ہوا، لوٹ مار، قتل، ہجرت کا بازار گرم ہوا۔ نفسانفسی کے اس عالم میں خانقاہِ مارہرہ کا رول انتہائی تاریخی ہے۔ اسی تاریخی رول کا ایک اہم حصہ تھے حضرت ملک العلماء۔ ضرورت ہے کہ مارہرہ مقدسہ کے اس اہم تاریخی باب پر کام کیا جائے۔ کوئی فاضل قلم کار آگے آئیں، بھرپور مواد فراہم کیا جائے گا۔ خاکسار

کے پاس اس حوالے سے بھی کافی مواد ہے۔

(۳۹) تنویر السراج فی ذکر المعراج ۱۳۵۳ھ وبعد۔

اس کی تقریب یوں ہوئی، خانقاہِ عالیہ تکیہ حضرت رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ حمید الدین (متوفی ۲۲/رمضان ۱۳۶۴ھ) نے حضرت ملک العلماء کے مشورے اور تعاون سے جلسہ رجبی یعنی بیانِ معراج کا اہتمام کیا۔ یہ جلسہ رجبی رجب ۱۳۵۳ھ سے شروع ہوا اور کوئی پندرہ سولہ سال تک ہر سال ہوتا رہا۔ ملک العلماء اس جلسے کے خاص خطیب ہوئے تھے۔ ملک العلماء کی فرمائش پر ہر سال ایک مہمان خطیب بھی بلائے جاتے تھے۔ پہلے سال خانقاہ بنڈ ضلع مونگھیر کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ (متوفی ۲۹/رمضان ۱۳۸۵ھ) مدعو تھے۔ آپ کے صاحب زادے سید شاہ احسن الہدیٰ (جو بعد کو خانقاہِ پنڈوہ شریف کے سجادہ نشیں ہوئے) ملک العلماء کے شاگرد خاص تھے۔ جنھوں نے ظفر منزل میں قیام کر کے ان سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ دوسرے سال حضرت مولانا مشتاق احمد کان پوری (متوفی ۱۳۵۵ھ) استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ، تیسرے سال حضرت مولانا عبد الواحد بدایونی، چوتھے سال محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)، پانچویں سال حضرت مولانا عبد الحامد قادری بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، چھٹے سال حضرت مولانا عبد المجید آنولوی بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)، تلمیذ خاص تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبد القادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ)، ساتویں سال حضرت مولانا وصی احمد سہسرامی، صدر مدرس جامعہ نعیمیہ مرادآباد- آٹھویں سال صدر الافاضل حضرت مولانا سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) اور دسویں سال حضرت مولانا شاہ قاضی احسان الحق نعیمی اشرفی مفتی بہرائچ مدعو کیے گئے۔ ملک العلماء کا یہ انتہائی خلوص اور ان کی وسیع النظری تھی کہ اپنے قابلِ فخر معاصرین کو بلا کر

اپنے اسٹیج پراُن سے تقریر کرواتے تھے۔ ورنہ وہ خود اس جلسے کے خطیب خاص وشہ نشین تھے۔

ملک العلماء نے پہلے سال **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** پر ڈھائی گھنٹے تقریر کی۔ دوسرے سال لفظ '**سبحان**'، پر تیسرے سال '**الذی**' پر، چوتھے سال، **اسریٰ** پر، پانچویں سال، '**بعبدہٖ**' کے '**با**' پر چھٹے سال '**عبد**' پر، ساتویں سال '**بعبدہٖ**' کی اضافت، پر، یعنی مسلسل تین سال حرف **بعبدہٖ** پر تقریر ہوئی۔ آٹھویں سال، **لیلاً**، پر گفتگو ہوئی، نویں سال، **لیلاً**، کی تنوین پر پورا خطاب ہوا۔ دسویں سال حرف، **من**، پر، گیارہویں سال پوری تقریر، **من**، کے متعلق پر ہوئی۔ بارہویں سال اور تیرہویں سال ظاہر ہے **المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ**، پر تقریریں ہوئی ہوں گی۔ اس طویل المدت تقریری سلسلے سے ملک العلماء کی دو اہم خصوصیت آئینہ ہوکر سامنے آتی ہیں۔ ایک تو قرآنی علوم و تفاسیر پراُن کا عبورِ کمال واستحضار۔ دوسرے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعۂ معراج پر کیسے کیسے واقعات، حقائق، معارف بیان کیے گئے ہوں گے اور حضور نبی کریم علیہ السلاۃ والتسلیم کے کیسے کیسے اوصاف، کمالات، محسن، مناقب، فضائل، خصائص کے تحت خطاب آئے ہوں گے۔ بالیقین یہ کہا جاسکتا ہے یہ تقریریں علم کا خزانہ ہوں گی اور حمائد ومحامدِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گنجینہ ہوں گی۔ افادۂ عام کی غرض سے یہ تقریریں ریکارڈ کرلی جاتی تھیں۔ حضور ملک العلماء ان پر ایک نظر ڈال لیتے تھے۔ یوں یہ تمام تقریریں محفوظ ہوگئیں۔ تقریروں کے مسوّدے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ابتدائی چند سال کی تقریریں ابھی نہیں ملی ہیں۔ پانچویں، چھٹے، ساتویں اور گیارہویں، بارھویں سال یعنی ۱۳۵۷ھ، ۱۳۵۸ھ، ۱۳۵۹ھ، ۱۳۶۳ھ، ۱۳۶۴ھ کی تقریریں تنظیم نوجوانانِ اہل سُنّت، بھاٹی گیٹ، لاہور حافظ محمد شاہد اقبال صاحب کی توجہ سے شائع ہوگئی ہیں۔ گیارھویں تقریر کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا عبدالمرتضٰی وسید شمس الضحیٰ عظیم آبادی کے زیر اہتمام رضوی دارالکتب سرائے سلطان،

لاہور نے تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور سے ’’ذکرِ معراج‘‘ کے نام سے شائع کیا۔ یہی تقریر ذکرِ معراج، کے نام سے ۱۹۷۸ء میں ادارۂ روضۃ المعارف، گھوسی، ضلع مئو سے شائع ہوئی۔ پھر اس تقریر کا تیسرا ایڈیشن مولانا طیب علی رضا مصباحی نے المجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع کیا ہے۔ ذکرِ معراج کی ایک تقریر ’’بیانِ معراج‘‘ کے عنوان سے ادارہ افکارِ حق بائسی، پورنیہ نے بھی شائع کی ہے۔ ضرورت ہے یہ تمام خطبات، ’’خطباتِ معراج‘‘ کے نام سے شائع کیے جائیں۔ اس سے عوام وخواص علما اور خطبا سبھی مستفیض ہوں گے۔

۴۰) حیز السلوک فی نسب الملوک ۱۳۳۳ھ

صوبۂ بہار میں جو ملک حضرات آباد ہیں، اُن کی زیادہ تعداد پٹنہ، نالندہ، گیا، مونگیر وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ تقسیمِ ہند کے وقت کچھ ملک خانوادوں کے اصحاب میں بنگلہ دیش منتقل ہو گئے اور کچھ پاکستان جا کر آباد ہو گئے۔ ۴۳ صفحے کی اس کتاب میں ۲۴ قصبات و مواضع کے ملک حضرات کا شجرۂ نسب بیان کیا گیا ہے۔ ملک حضرات کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید ابراہیم ہیں۔ جو ملک بیّو کے عرف سے معروف ہوئے۔ وہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ۔ ۷۹۰ھ) میں شاہی فوج میں شامل تھے اور اچھے اونچے عہدے پر فائز تھے۔ قلعہ رہتاس، بہار کی جنگ میں ۱۳؍ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو شہید ہوئے۔ جسدِ خاکی وہاں سے قصبہ بہار شریف لایا گیا اور ایک اونچی پہاڑی پر سپردِ خاک کیا گیا۔ مزارِ شریف پر عالی شان گنبد بنا ہوا ہے، جو زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ حضرت سید ابراہیم کا نسب ساتویں پشت میں حضرت عزت پاک شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ سے جا ملتا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے، قلمی نسخہ موجود ہے۔

۴۱) النور والضیا فی سلاسل اولیا

بزرگانِ دین کے ۱۶۲؍ سلسلوں کا شجرہ اور اُن کے اسمائے گرامی اس میں درج ہیں

جن میں حضرت ملک العلماء کو بیعت، اجازت، خلافت حاصل تھی۔ پہلا شجرہ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا ہے اور آخری سلسلۂ عالیہ فردوسیہ منعمیہ شاکریہ کا ہے۔ اوّل الذکر سلسلے میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۳۸/ واسطے ہیں اور آخری سلسلے میں ۴۱/ واسطے ہیں۔ ۳۰۹/ صفحات کا یہ شجرہ ونسب نامہ بخط ملک العلماء محفوظ ہے۔

۴۲) مولودِ رضوی ۱۳۶۰ھ

میلادِ پاک کے موضوع پر یہ کتاب ملک العلماء نے محرم الحرام ۱۳۶۰ھ میں لکھی۔ پٹنہ کی مشہور خانقاہ درگاہ شاہ ارزاں کے سجادہ نشین سید شاہ حامد حسین حامدؔ (متوفی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی۔ ملک العلماء نے اس میں میلادِ پاک کے موضوع پر مستند آثار و روایات درج کی ہیں۔ آسان اور دلکش پیرایۂ بیان اپنایا گیا ہے، تاکہ مرد و خواتین ہر دو بآسانی پڑھ سکیں اور سُن کر سمجھ سکیں۔ اس میں استاذِ زمن حضرت حسن بریلوی (متوفی: ۱۳۲۶ھ) شاگردِ داغ دہلوی اور اعلیٰ حضرت کی نعتیں بھی شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا نعتیہ کلام وسلام بھی درجِ کتاب ہے۔ آخر میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مشہور مناجات ''یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو'' بھی زینتِ کتاب ہے۔ جس زمانے میں یہ میلاد نامہ لکھا گیا اُس زمانے میں اہلِ شوق ومحبت نے اس کی کثرت سے نقلیں لیں۔ محلّہ درگاہ شاہ ارزاں کے گھرانوں میں یہی میلاد نامہ عام طور پر پڑھا جاتا تھا۔ ''میلادِ رضوی'' کے نام سے یہ رسالہ پروفیسر مختار الدین احمد کی جامع تمہید کے ساتھ بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ لاہور نے شائع کر دیا ہے۔

۴۳) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام ۱۳۴۱ھ

عنوان سے ظاہر ہے، یہ کتاب عربوں کے احوال، نسلوں، خصوصیتوں پر مشتمل ہے۔ قبائل، انساب، جغرافیہ پر بھی بحث ہوئی ہوگی۔ جو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی آمد آمد سے پہلے تھی۔ ۱۳۴۱ھ میں یہ اہم موضوع کی کتاب معرضِ وجود میں آئی، جو آج تک اشاعت پذیر نہ ہوسکی۔ مزید تفصیلات معلوم نہیں۔

۴۴) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب ۱۳۵۴ھ

بہار کے مشہور اہلِ قرآن عالم سید محی الدین تمنا عمادی مجیبی پھلواروی (۱۸۸۸ء-۱۹۴۰ء) کے قائم کردہ چار سوالوں کے جواب میں تحریر کیا گیا۔

(۱) ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

(۲) آپ کے اور خلفائے راشدین کے عہد ہائے مبارک میں مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب کا کوئی معمول یا دستور تھا یا نہیں؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اہلِ سُنّت واصحاب میں سے جو وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت خبیب، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگِ بدر و حنین و تبوک وغیرہا، اُن کے لیے آپ خود یا آپ کے حکمِ مبارک سے اور صحابۂ کرام یا اہلِ بیت نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا، تو کس طریقے سے؟

(۴) فقۂ حنفی میں کوئی طریقہ ایصالِ ثواب کا لکھا ہوا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا ہے، تو وہ کیا ہے؟ اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

اس استفسار کے جواب میں ملک العلماء نے ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور پٹنہ سے شائع کی، تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ۲۰/ صفحات تحریر کیے، ایصالِ ثواب کے طریقوں پر بحث فرمائی، جو صدر اسلام سے سلفاً وخلفاً مسلمانوں میں رائج ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب ۶۴/ صفحوں میں قلم بند کیا۔ رسولِ کریم اور خلفائے راشدین کے عہد ہائے مبارک میں ایصالِ ثواب کے پچیس طریقے احادیثِ قولی و

فعلی سے ثابت کیے۔ علمائے کرام سے صراحۃً و دلالۃً ماثور دلائل سے مسئلہ زیر بحث کو روشن کیا۔ پھر مزید تائید وتقویت کے لیے صوفیا ومشائخ کے تعامل وتوارث کے تفصیلی حوالے پیش کیے۔ اس طرح چوتھے سوال کے جواب میں دس صفحے رقم کیے۔ یہاں بھی دلائل و براہین کا ڈھیر لگا دیا۔ یوں عملی اسلوب میں نقلی و عقلی دلیلیں دے کر مستفتی کے تمام شبہات وشکوک کے ازالے کی کوشش فرمائی اور عام مسلمانوں کو تمنا عمادی کی دسیسہ کاری سے محفوظ فرمایا۔

یہ تاریخی کتاب اولاً پٹنہ ہی سے شائع ہوئی، دوسری اشاعت روضۃ المعارف گھوسی، مئو یوپی کی ہے۔ تیسری اشاعت غالباً حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کی ہے۔ چوتھی اشاعت 'المجمع العلمی' ہزاری باغ بہار کی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی اب بھی اشاعت کی ضرورت ہے۔

فنِ مناظرہ وروودادِ مناظرہ پر ملک العلماء کی قریب دس کتابیں ہیں، ان کتابوں کا ایک سرسری جائزہ یہ ہے۔

۴۵) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ

اس کی تقریب یوں ہوئی، علاقہ مارواڑ، راجستھان کے ایک مولوی ولی اللہ کی کلکتہ بھی آمدورفت تھی۔ شعبان، رمضان ۱۳۳۴ھ میں کلکتہ کے اہلِ سُنّت و جماعت کو انھوں نے ورغلانا چاہا اور مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ جسے اہلِ سُنّت نے قبول کرلیا۔ حضرت مولانا الحاج لعل محمد خان زکریا اسٹریٹ نے اعلیٰ حضرت کو خط لکھا اور ملک العلماء کو فوراً کلکتہ بھیجنے کی درخواست کی۔ ملک العلماء کا طریقہ تھا، شعبان کی چھٹی گزار کر وہ رمضان میں بریلی آجاتے تھے، اعلیٰ حضرت کے تصنیفی کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے، ملک العلماء بریلی میں موجود تو تھے ہی، اعلیٰ حضرت نے انہیں فوراً کلکتہ روانہ کر دیا، ساتھ میں کئی مسودات بھی تبییض کے لیے دے دیئے۔ اس سفر میں ملک العلماء نے امام احمد رضا کی ''تسہیل التعدیل'' وغیرہ کی تبییض

کی تھی۔ خطوطِ رضا میں اِن باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ خیر ملک العلماء جب کلکتہ تشریف لے گئے، تو مناظرے کا چیلنج دینے والا کلکتہ سے فرار ہو چکا تھا یا روپوش تھا، بار بار دعوتِ مناظرہ دینے پر بھی وہ ظاہر نہیں ہوا۔ پیشِ نظر کتاب بھی اسی واقعے کی تفصیل ہے۔ یہ کتاب اسی زمانے میں الحاج عبدالرحمٰن نے چھپوائی تھی، جو اسی علاقہ مارواڑ راجستھان کے رہنے والے تھے، کلکتہ میں مقیم تھے، قریب سو برس ہونے کو آئے، کتاب نایاب ہے۔

۴۶) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ

یہ وہی کتاب ہے، جو بیس علمی سوالات اور مناظراتی و مواخذاتی استفسارات پر مشتمل ہے۔ خبر ہوئی کہ اشرف علی تھانوی بریلی میں ہیں، ملک العلماء نے یہ سوالات مرتب کیے اور لے کر اُن کے پاس پہنچ گئے۔ ملک العلماء کے عہدِ طالب علمی کا یہ زمانہ تھا، اس رسالے میں اُسی ملاقات کی کیفیت و سرگزشت درج ہے۔ تاریخ ترتیب ۱۴؍ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ ہے۔ یہ رسالہ اسی دور میں مطبع اہلِ سُنّت و جماعت بریلی سے شائع ہوا تھا، خاکسار کے ذخیرے میں بھی ہے۔

۴۷) شکستِ سفاہت ۱۳۲۶ھ

یہ مناظرہ میوات، اطراف فیروز پور، جھرکا کی رودادِ مناظرہ ہے۔ حضرت مولانا شاہ رکن الدین نقشبندی الوری اور حضرت مولانا احمد حسین خان رام پوری کی درخواست پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ملک العلماء کو ایک جبہ عنایت کیا اور فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے، اس مناظرے میں حضرت مولانا شاہ رکن الدین نقشبندی الوری اور حضرت مولانا شاہ ارشاد علی الوری بھی شریک تھے۔ بد مذہب مناظر نے عربی زبان میں گفتگو کی شرط لگائی تھی، مگر تھوڑی ہی دیر میں اُس کا پتّہ پانی ہو چکا تھا۔ خود ہی اردو سلسلۂ گفتگو پر اُتر آیا۔ ملک العلماء نے بھی تفہیم عوام کے لیے اردو میں گفتگو کی اور مخالف ہر طرح ہر موڑ پر پسینہ پونچھتا رہا۔ بالآخر راہِ

فرار کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ خیر یہ اسی مناظرے کی روداد ہے۔ یہ رسالہ وہیں کے مقامی حضرات کی خواہش کے پیش نظر چھپ کر عام ہوا۔

۴۸) کشف الشور من مناظرۃ رام پور ۱۳۳۲ھ

یہ مناظرۂ رام پور کی روداد ہے،اس کی تفصیلات میری نظر میں نہیں۔

یہ رہا ملک العلماء کی تصانیف وتراجم کا ایک موضوعاتی جائزہ۔ ایسی کثیر التصانیف، کثیر الجہات شخصیت جو ایک جہانِ علم ہے، پردۂ خفا میں ہے۔ جائے افسوس بھی ہے، مقامِ حیرت بھی۔ ملک العلماء کی شخصیت جماعت کی میراث ہے، آبرو ہے۔ اُن کی تصانیف جماعت کی پونجی ہیں، سرمایہ ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے، اُن کی شخصیت، علمیت، تصانیف، خدمات پر کام کیا جائے۔ فضلائے عصر آگے بڑھیں، مل جل کر کام کریں۔

OOOOO

فنِ مناظرہ میں ملک العلماء کا مقام

ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ مصباحی

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمہ ۱۳۲۱ھ میں بریلی شریف حاضر ہوئے، ۱۳۲۵ھ تک امام احمد رضا سے اخذِ علم وفیض کرتے رہے، فارغ ہوتے ہی جامعہ منظر اسلام میں مدرّس مقرر ہوئے، جہاں آپ ۱۳۲۹ھ تک درس دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ میں امام احمد رضا کے حکم سے جامع مسجد شملہ پھر مدرسہ حنفیہ فیض الغربا، آرا اور پھر وہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے۔ شوال یا ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں خانقاہِ کبیریہ سہسرام بلائے گئے۔ ۱۳۳۸ھ کے آخر میں مدرسہ شمس الہدیٰ کے ارکان کے باصرار بلانے پر دوبارہ پٹنہ تشریف لائے۔ ۱۹۵۰ء شہر کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا، جہاں آپ تقریباً ۱۹۶۰ء تک علم وفیض اور فکر وفن کا اُجالا پھیلاتے رہے۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو امام احمد رضا کے وہ نورِ نظر، ''جانِ پدر بلکہ از جانِ بہتر'' اللہ کو پیارے ہوئے۔ خدا جانے والے کے درجات بلند کرے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین ملک العلماء نہایت باکمال مدرّس، معتمد مفتی، بے مثال خطیب، بے نظیر مصنف، علمِ ہیئت وتوقیت اور علم الافلاک کے بے تاج بادشاہ، تفسیر وحدیث اور فقہ میں لاثانی، مفسر ومحدث وفقیہ اور فاتح وغالب مناظرِ اسلام تھے۔ ملک العلماء جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کے سرپرست اور شعبۂ مناظرہ کے صدر تھے۔ (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، بحوالہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء) کمال تو یہ ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے، جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں کے لیے وجۂ افتخار اور شانِ امتیاز بنی ہوئی ہیں۔ ذیل کی تحریر

میں اختصاراً صرف اُن کی مناظرانہ خوبیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بائیس سال کے مناظر اور بے مثال مناظر ملک العلماء ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۵ھ میں درسیات کی تکمیل فرمائی، ۱۳۲۶ھ میں امام احمد رضا نے مدنی جبہ اور خاص دعا دے کر انہیں مناظرۂ میوات کے لیے روانہ فرمایا۔ اس وقت آپ اپنی عمر کی بائیسویں بہار سے گزر رہے تھے۔ ملک العلماء تشریف لے گئے تو باطل کے پرستار چاروں زانو چت ہو گئے اور ملک العلماء فتح وظفر کی دھوم مچاتے بریلی واپس لوٹے۔ ذرا قدرے تفصیل خود ملک العلماء کی زبانی سنئے:

''۱۳۲۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بے چارے سیدھے سادھے میواتیوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولوی احمد حسین خان صاحب رام پوری مقیم درگاہِ معلیٰ اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رام پور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لیے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے وہاں کے حالات عرض کیے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجیے۔ مَیں نے عرض کیا، تعمیلِ ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کی دعا کی ضرورت ہے۔ حضور کی دعا شاملِ حال رہی تو ان شاء اللہ وہابیہ کو ضرورت شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک ادنیٰ جبہ لا کر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ مَیں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر

پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور اِس جبہ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کے لیے آئے تھے، ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو بقولِ خود تین چار سال مکہ معظّمہ میں قیام بھی کر چکے تھے اور اسی بنا پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں، اُدھر سے کہا گیا کہ یہ مجلسِ مناظرہ ہے، دونوں طرف کی عوام بکثرت شریکِ جلسہ ہوئے ہیں، عربی میں فریقین کی تقریر ہونے سے یہ کیا سمجھیں گے۔ لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے کرتے بول اٹھے: والناس مى فهمنه . مولوی احمد حسین خان صاحب رام پوری نے فوراً ٹوکا، مولانا یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی، فصیح عربی والناس می سمجھند ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظّمہ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ اِس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہو گئے۔ اس کے بعد بقیہ تقریر اردو میں کی۔ پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو میں ہی ہونے لگیں۔ جب ابتدائی مباحث طے ہو گئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ تقاضے پر تقاضے ہوئے، مگر اُن کا سکوت نہ ٹوٹا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے، آخر ثالث و حکم صاحب نے کہا، مولانا کچھ تو بولیے، تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے۔ آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا: صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں، جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفر الدین

صاحب نے جو سوالات کیے، اُن کے جواب میں ان تمام علما نے سکوتِ محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کس دن کے لیے اُٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب، مولوی شاہ ارشاد علی صاحب، مولانا مولوی ظفر الدین صاحب، مولوی احمد حسین خان صاحب وغیرہ علما کا مذہب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دور دراز سے الگ الگ داخل ہوئے تھے، اب سب لوگ متفق ہو کر اس دروازے سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جایئے۔ چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہلِ سُنّت کے ساتھ ساتھ آئے۔ **والحمد للّٰہ علی ذلک** جب بخیر وخوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہر کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیئے جائیں، وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخ نام 'پکّے نجدی کا چپ مناظرہ ۱۳۲۶ھ' رکھا اور جناب مولانا حسن رضا خان صاحب نے اس کا تاریخی نام 'شکستِ سفاہت' ۱۳۲۶ھ رکھا، چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا''۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل صفحہ ۵۴ تا ۵۶ مطبع رضوی)

وہ دور مناظرانہ ہنگامہ آرائیوں کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے، شاید اسی لیے جگہ جگہ اور

بات بات پر مناظرہ ہوا کرتا تھا۔شرارِ بولہبی چراغِ مصطفوی بجھانے کے در پے رہا ہوگا، مگر وہ شمع کیا بجھتی، بلکہ اس کی لَو اور تیز ہوگئی۔ دشمن دین کے سینکڑوں نہریں نکالنے کے باوجود دینِ حنیف کا دریا روز افزوں موجزن ہی رہا۔امام احمد رضا کے ایک مکتوب گرامی کا یہ حصہ ملاحظہ کیجیے، جس سے مناظرے کی ہماہمی، ملک العلماء کی مستعدی اوراس پر امام احمد رضا کا اظہارِ مسرت کا اندازہ ہوتا ہے:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروزآباد، راندیر۔ بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروزآباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اوران شاءاللہ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحانِ بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں، مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں''۔

(مکتوب امام احمد رضا بنام ملک العلماء، محررہ ۸/رجب المرجب ۱۳۲۶ھ۔
حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل مطبع مکتبہ رضویہ ۲۷۴)

''آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا، جزاکم اللہ خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم''
(مکتوب رضا بنام ملک العلماء، محررہ ۲۲/رجب ۱۳۳۶ھ، حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۲۷۹)

جریدہ ''دبدبۂ سکندری'' رام پور، ۲۰/جون ۱۹۲۵ء کے حوالے سے مولانا محمد ادریس رضوی، ایم اے لکھتے ہیں:

''موضع پٹنہ ضلع لوگرا میں مناظرہ کے لیے دونوں جانب سے خوب تشہیر کی گئی تھی، سُنیوں نے ملک العلماء کی آمد پر ان کا شاندار استقبال کیا، غرض کہ مناظرہ شروع ہوگیا، ابتداءً چند تحریرات کی آمد و رفت بزبان عربی ہوئی، جس سے غیر مقلدین کا مقصود علمی موازنہ تھا۔ مناظرہ کا وقت ایک بجے سے پانچ بجے تک کا تھا۔ ملک العلماء اسٹیج پر رونق افروز تھے اور غیر مقلدین کو بھرے مجمع میں چیلنج پر چیلنج کر رہے تھے۔ مگر افسوس کہ وقتِ مقررہ پر میدان میں شیر اہلِ سُنّت کو دیکھ کر کوئی بھی نہ آیا۔ حاضرین سے تمام جلسہ گاہ بھری ہوئی تھی، ہر ایک گردنیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا اور پھر رہ جاتا تھا۔ غیر مقلدین کے مناظرین نے سُنّی شیر کو بلا تو لیا، مگر سامنے آنے کا یارا نہ تھا۔ غیر مقلدین مناظر جلسہ میں نہ آیا اور سب نے راہِ فرار اختیار کی۔ ان کے نہ آنے پر عوام بہت متأثر ہوئے اور یہ سمجھ گئے کہ سُنیوں کی بات بالکل حق ہے اور یہی صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ فوراً دو سو آدمیوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔''

(سہ ماہی افکار رضا ممبئی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۳۶)

رمضان ۱۳۳۴ھ میں ملک العلماء پٹنہ سے بریلی تشریف لائے اور حسب عادت امام احمد رضا کی تصانیف کی تبییض و ترتیب میں لگ گئے۔ اس دوران کلکتہ سے ناصر ملت الحاج لعل محمد خاں علیہ الرحمہ کا اعلیٰ حضرت کے پاس خط آیا، ملک العلماء کو فوراً کلکتہ روانہ کیا جائے، یہاں دیوبند کے تربیت یافتہ مولوی ولی اللہ مناظرے کا چیلنج دیتا پھرتا ہے۔ امام احمد رضا نے انہیں بیس روپئے دے کر کلکتہ روانہ فرمایا۔ کچھارِ رضا کے اس شیر کے پہنچتے ہی مولوی موصوف کا پتہ پانی اور اس کے حوالی موالی کے جذبات ہرن ہو گئے۔ اس کا بیان ملک العلماء

کے قلم سے پڑھیے:-

''۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اوّل تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت عم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کرر ہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس آؤں گا، لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا ظفر الدین صاحب کو روانہ فرما دیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیٰ حضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونو رجسٹری سے واپس کر دیجیے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آ گئی، اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال آپ عید میں یہیں رہیں گے، بچوں کے لیے یہ روپے کی نذر ہیں۔ مجھے شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو مَیں نوکر ہوں، مَیں پیر کی خدمت کیا کرتا اور اُن کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ مَیں نے کچھ تامل کیا، اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا، مَیں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش

ٹھنڈا ہو گیا، اب کس میں مناظرہ کا دم ہے، اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے‘‘۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس کی مفصل کیفیت اس زمانے میں حاجی عبدالرحمٰن مارواڑی کے نام سے رسالہ ’’گنجینۂ مناظرہ‘‘ ۱۳۳۴ھ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ کلکتہ کے قیام میں مَیں نے اس رسالۂ مبارکہ کو جس کا نام ’تسہیل التعدیل‘ صاف کر کے اصل ونقل دونوں بنام اعلیٰ حضرت بصیغۂ رجسٹری روانہ کر دیا۔　　(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۴۸ تا ۴۹)

جامعہ اشرفیہ کے ہونہار مدرس مولانا ارشاد احمد مصباحی نے ملک العلماء کے قیام سہسرام پر ایک مفید معلوماتی مقالہ لکھا تھا، جو ’ملک العلماء اور علمائے سہسرام‘ کے عنوان سے ماہ نامہ ’جہانِ رضا‘، لاہور شمارہ جون ۱۹۹۹ء میں چھپا، محترم مقالہ نگار لکھتے ہیں:-

’’واضح ہو کہ حضرت ملک العلماء کے سہسرام میں قیام کا زمانہ ۱۳۳۳ھ کے آخر سے لے کر ۱۳۳۸ھ تک ہے۔ ملک العلماء نے سہسرام کے قیام کے زمانہ میں ایک مناظرہ کیا، جس کی روداد ’گنجینۂ مناظرہ‘ کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں چھپی تھی‘‘۔

مصنف کا یہ لکھنا ملک العلماء کے بیان کی روشنی میں بے وزن ہو جاتا ہے، یہ مناظرہ وقیامِ پٹنہ کا ہے اور مزید وضاحتیں ’آئینۂ مکتوباتِ رضا‘ میں دیکھیے۔

’’فتح مبارک ہو پہلے ہی معلوم تھا، مگر ہمارے حاجی صاحب کا استعجاب جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ یہاں سے چلے گئے......سُنیوں کی عام حالت یہ ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے، انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے۔ ورنہ کلکتہ میں حمایتِ دین کے لیے دو ہزار روپئے ماہواری بھی کوئی چیز تھے، ادھر مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت مَیں

نے سنا کہ ۱۶/ہزار روپئے کی سالانہ کی جائداداس کے لیے وقف ہے، اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے''۔

(مکتوب امام احمد رضا بنام ملک العلماء بزمانہ قیام کلکتہ محررہ ۲۶/ماہ مبارک ۱۳۳۷ھ)

مکتوبِ رضا کے اس حصے سے جہاں سُنیوں کی غربت و بے حسی اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے، وہیں ملک العلماء کی صلاحیت وسرگرمی کا پتہ بھی چلتا ہے اور یہ بھی کہ اب پٹنہ سے کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔ ناصر ملت الحاج لعل محمد خان علیہ الرحمہ کے نام خط میں بھی یہ جملہ ملتا ہے''مدرسہ شمس الہدیٰ کے لیے آدمی وہی تجویز کریں، مجھے اطلاع دیں۔''

(مکتوب امام احمد رضا بنام حاجی لعل محمد خان محررہ دوم شوال المکرّم ۱۳۳۴ھ حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۲۷۱)

خطوط کے ان دونوں ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کلکتہ ملک العلماء کے حد درجے معتقد وگرویدہ تھے کہ اس زمانے میں دو ہزار کی پیش کش کی تھی اور ملک العلماء جیسے عالم کا ملنا نہایت مشکل تھا، اس کی نشان دہی مکتوبِ رضا کا یہ جملہ کرتا ہے''افسوس کہ ادھر نہ مدرّس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار۔ ایک ظفرالدین کدھر کدھر جائیں'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۷۰) ملک العلماء کے بیان اور مکاتیب رضا کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ملک العلماء پٹنہ سے سہسرام شوال، ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ملک العلماء نہ صرف مسلم نما جوفروشوں کا بخیہ اُدھیڑتے بلکہ اپنے علمی اور منطقی استدلالات سے آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین پر بھی چھا جاتے تھے۔ پروفیسر مختارالدین احمد صاحب آرزو رقم طراز ہیں:

''میرے بچپن میں وہ (ملک العلماء) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرہ کے لیے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین

وغیرہم سے مناظرے کے لیے بھی وہ دور دراز علاقوں سے مدعو کیے جاتے تھے۔ایک مناظرہ کے لیے وہ برما بھی تشریف لے گئے۔''

(حیاتِ ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری،صفحہ ۱۰،مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۹۲ء)

مولانا محمد ادریس رضوی ایم اے کے بقول:

''ملک العلماء نے آریاؤں،قادیانیوں،وہابیوں،دیوبندیوں اور دوسرے فرقہائے باطل کے اکڑفوؤں سے متعدد مناظرے کیے اور ہر جگہ سے کامیاب اور کامران لوٹ کر آئے،سُنّیت کے شیر پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کو بھی ناز تھا''۔

(سہ ماہی افکارِ رضا،ممبئی،شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

'تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت' کے مؤلف مولانا محمود احمد قادری کی تحقیق کے مطابق ملک العلماء کی تعداد کتب ۱۶۰ ہے۔جب کہ ملک العلماء کے نامور فرزند ڈاکٹر مختار الدین آرزو اپنے نیک نام والد ماجد کے رشحاتِ قلم کی موجودہ تعداد ۷۰ بتاتے ہیں،لیکن یہ فہرست یقینی نہیں،جیسا کہ ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے۔درج ذیل کتابیں ملک العلماء کی فنِ مناظرہ میں ملتی ہیں،جو صاحبِ سیرت کے علمِ مناظرہ میں عبور و کمال اور مہارت و بصیرت کی کھلی شہادتیں ہیں۔

(۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۳) شکستِ سفاہت ۱۳۲۶ھ (۴) سجم الکنزہ علی الکلاب المطرہ ۱۳۲۸ھ (۵) النبر اس لدفع کلام النہاس ۱۳۲۹ھ (۶) رفع الخلاف من بین الاحناف ۱۳۳۲ھ (۷) کشف الستور عن مناظرۂ رام پور ۱۳۳۴ھ (۸) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ (۹) ظفر الدین الطیب

یوں تو ان کتابوں کے ناموں سے مفاہیم کچھ ظاہر ہیں،مگر فی الوقت یہ تمام علمی شہ

پارے چشم مطالعہ اور اس قلم کی گرفت سے باہر ہیں۔ اسبابِ مناظرہ، رودادِ مناظرہ اور احوال و وجوہ نہ جاننے کی بنا پر راقم اثم تعارف وتبصرہ سے دست کش ہونے ہی میں عافیت سمجھتا ہے، البتہ 'ظفر الدین الجید' کے بارے میں حیاتِ ملک العلماء کے مؤلف علام لکھتے ہیں:-

> ''کذبِ باری سبحانہٗ وتعالیٰ، علمِ غیب اور دوسرے مسائل کے متعلق جن میں علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں اختلافات ہیں۔ بیس سوالات جسے مولانا ظفر الدین قادری نے مرتب کر کے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بریلی میں پیش کیے، اس رسالے میں ان سے ملاقات کا حال اور دوسرے بعد کے کوائف بھی درج ہیں۔ یہ رسالہ انہوں نے ۱۴؍ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔''

(حیاتِ ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری ص ۱۸ مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۲ء)

ملک العلماء کے پہلودار، گوشہائے حیات کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ دین وسُنّیت کے درد منداور خواجہ تاشانِ رضویت کے عظیم محسن ہیں، علوم وفنون میں وہ امام احمد رضا کے مظہر اور فکر وقلم کے پر تو ہیں۔ خدمتِ اسلام اور افکارِ رضا کی تشکیل و ترسیل اور نقابت وحفاظت میں جس جان سپاری سے انہوں نے جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملک العلماء کے احوالِ حیات اور علمی آثار میں سے کسی ایک پہلو پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بآسانی تیار ہوسکتا ہے، چہ جائے کہ وہ اس طرح بیسیوں پہلوؤں کے جامع تھے۔ کاش! کوئی مخلص فاضل اُٹھے اور تحقیقی نظر سے اُن کی حیات وخدمات کا جائزہ لے۔

(سہ ماہی 'افکار رضا' ممبئی، اپریل تا جون ۲۰۰۱ء، ص ۲۳ تا ۲۹)

'ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں'

غلام جابر شمسؔ مصباحی

یہ جملہ جو شہ رخی بنا ہے، امام احمد رضا کا ہے۔ اس جملے میں جو جامعیت ہے، ایک معروف ترین زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ اس اشارے پر ذرا سی روشنی ڈال دی جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جی ہاں! یہ اشارہ اتنا ہی جامع ہے، بامعنی ہے۔ ایک جہانِ علم وعمل کا اشاریہ ہے۔ ایک عالمِ بزم ورزم کا استعارہ ہے، جو کسی کی پُر شور علمی کائنات اور پُر ہجوم افکارِ حیات کو حاوی ہے۔

اس جملے کا پس منظر یہ ہے۔ ۱۳۳۴ھ کے شعبان کا مہینہ تھا، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تعطیل کلاں ہو چکی تھی، اسی ماہِ اخیر یا رمضان کے شروع میں ملک العلماء حسبِ معمول بریلی آ گئے، امام احمد رضا کے تصنیفی کاموں میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اچانک کلکتہ سے ایک تار آیا، جس میں ملک العلماء کی طلبی تھی۔ واضح ہو، اس زمانے میں مواصلات کا سب سے زود رفتار ذریعہ تار ہی تھا۔ تار بھیجنے والے الحاج محمد لعل خان مدراسی تھے۔ الحاج مدراسی مولداً ویلور مدراس کے تھے، موطناً کلکتوی تھے۔ نہایت دین دار تجارت پیشہ تھے۔ ملکی وغیر ملکی سامانِ تجارت کی درآمدات و برآمدات میں اُن کے چار جہاز دریاؤں کی لہروں پر رواں دواں رہا کرتے تھے۔ وہ امام احمد رضا کے محبّ تھے، مدّاح بھی، ممدوح بھی، خلیفہ بھی، سپہ سالار بھی۔ وہ باقاعدہ سند یافتہ عالمِ دین نہ تھے، دستِ قدرت کے تربیت یافتہ تھے۔ امام

احمد رضا کے صحبت یافتہ تھے۔ یہ وہی الحاج لعل خاں تھے، جن کے بارے میں امام احمد رضا نے فرمایا تھا: ان کی طرح، قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی کی طرح، اور حجۃ العصر مولانا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی کی طرح ہر شہر میں ایک ایک سُنّی پیدا ہو جائے، تو سُنّیت کا طوطی بول جائے۔

خیر تار آیا، امام احمد رضا نے اجازت دے دی، ملک العلماء کلکتہ روانہ ہو گئے۔ اب جو ملک العلماء کلکتہ تشریف لائے۔ مولوی ولی اللہ مارواڑی روپوش ہو گئے، جس نے اہلِ سُنّت کو مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔ اس کی ساری سرگزشت دیکھنی ہو، تو 'گنجینۂ مناظرہ' مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۴ھ دیکھیے۔ رمضان گزرا، شوال آیا، مدرسہ شمس الہدیٰ کھل گیا۔ اب ملک العلماء پٹنہ آنے کے لیے بال و پر تولنے لگے، مگر کلکتہ کے الحاج لعل خاں، الحاج عبدالرحمٰن مارواڑی و دیگر معززین ان کو کلکتہ ہی میں روکنے پر مصر ہو گئے۔ اس زمانے میں دو ہزار روپئے سالانہ کی پیش کش ہوئی، اعلیٰ حضرت کے ایک جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک العلماء نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی کو بلانے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ جملہ یہ ہے 'مولوی امجد علی کے آنے پر رائے معلوم ہو گی' یہ جملہ ۲۶/ رمضان ۱۳۳۴ھ کا موقع ہے۔ ظاہر ہے، اس وقت صدر الشریعہ اپنے وطن گھوسی میں تشریف رکھتے ہوں گے۔

ملک العلماء نے وہاں کئی ماہ قیام کیا، وعظ کہا، تقریریں کیں، 'گنجینۂ مناظرہ' ترتیب دی، امام احمد رضا کا رسالہ 'تسہیل التعدیل' کی تبییض کی، جس کو وہ بریلی سے صاف کرنے کے لیے ساتھ لائے تھے۔ جس کی صاف کتابت پر امام احمد رضا نے کلماتِ تحسین لکھ بھیجا اور مزاحاً فرمایا ''تین مہینے کی چھٹی لیں گے، تو کم از کم اس میں نصف کا میں مستحق ہوں، ورنہ تو دو ثلث چاہیے تھا''۔ ممکن ہے، ملک العلماء نے اپنے 'جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان' کی بھی دیکھ ریکھ کی ہو گی، جو انہیں دنوں الحاج مدراسی کے زیر اہتمام زیر طباعت تھی۔ اعلیٰ

حضرت کے جملے سے معلوم ہوتا ہے، ملک العلماء وہاں دو تین مہینے رہے۔ نہایت مصروف تھے، جب حالات معمول پر آ گئے، تو آپ پٹنہ چلے آئے۔ پٹنہ میں پھر وہی مصروفیات، فقہ، حدیث، تفسیر کی تدریس، کتابوں کی تصنیف، مقالوں کی ترتیب، وعظ و خطاب، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ اور اپنے ذاتی کتب خانے میں دن رات بیٹھ بیٹھ کر متون و شروح اور امہات الکتب سے عبارات و حوالجات کی تلاش اور اپنے استاذ و مربی کی خدمت میں ترسیل۔ یہ تھیں مصروفیات دراز قد، خوب رو نوجوان ملک العلماء کی، اس وقت جن کی عمر ۳۱ / برس تھی۔

ملک العلماء کی عملی زندگی ۲۰/ برس کی عمر سے شروع ہوئی تھی، یعنی سندِ فراغت سے تین سال پہلے ہی۔ ۱۳۲۳ھ ہی میں انہوں نے قلم پکڑ لیا تھا، ان کے ایک مجموعۂ فتاویٰ میں ایک فتویٰ ۸/ رمضان ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو ۱۹/ برس میں مفتی کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔ ایک دوسرے مجموعۂ فتاویٰ میں پہلا فتویٰ ۱۵/ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ غالباً یہی وہ فتویٰ ہے، جس کا ذکر ملک العلماء نے 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' میں کیا ہے۔ ۱۴/ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ تو ٹھیک ۲۰/ برس بعد آپ نے یہ فتویٰ لکھا، جو رضاعت کے متعلق تھا، جس کے درست ہونے پر امام احمد رضا نے اُن کو ایک روپیہ شیرینی کھانے کے لیے دیا تھا۔ اہلِ علم جانتے ہیں، فتویٰ نویسی جس علمی رسوخ، مہارت، ممارست کا طالب ہے، وہ علمی رسوخ و مہارت گویا ملک العلماء کو ۲۰/ برس کی عمر میں حاصل ہو چکی تھی، وہ بھی امام احمد رضا کے زیر نگرانی امام احمد رضا کے دارالافتا بریلی میں۔ یہ تو رہی فتویٰ نویسی کی بات، جو ۲۰/ برس کی عمر میں ہوئی تو وقتِ وصال ۱۳۸۲ھ تک جاری رہی۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ والدۂ محترمہ نے فرمایا جس رات ملک العلماء کا وصال ہوا اُس دن عصر کے بعد انھوں نے چار خط لکھے۔ ان میں ایک خط تمہارے نام تھا اور ایک طویل خط وراثت سے متعلق ایک استفتا کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

فنِ مناظرہ میں بھی ملک العلماء نے اسی عمر میں دلچسپی پیدا کر لی تھی، جس کے ثبوت میں ’ظفر الدین الجیّد‘ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی اشرف علی تھانوی کی موجودگی میں، دو بہ دو، روبرو بحث ومناظرہ، اس کی پوری کیفیت رسالۂ مذکورہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی عمر میں آپ نے ظفر الدین الطیب لکھی۔ علمِ غیب رسول پر ’الحسام المسلول علی منکر علم الرسول‘ لکھی، ’مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس‘ تحریر کی، اس پر امام احمد رضا کی تقریظ بھی ہے۔ ۲۱؍ ہی برس کی عمر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نظیر نہ ہونے کے ثبوت پر ’مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ‘ قلم بند کی۔ عمر کی اس اکیسویں بہار میں آپ نے ’شفا شریف للقاضی عیاض مالکی‘ کی عربی پر شرح لکھی۔ آغازِ شرح کی بھی ماہ مبارک ۱۴؍ ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ کی ہے۔ اپنی عمر کے ۲۲؍ ویں سال آپ نے ’کتاب القدوری‘ پر عربی زبان میں تعلیق لکھی۔ رسالہ ’اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد‘ لکھا۔

یہ تمام تحریری نقوش عہدِ تحصیل کے ہیں اور عمر کا بائیسواں سال تھا۔ یعنی ملک العلماء فتاویٰ نویسی کے علاوہ مذکورہ آٹھ کتب ورسائل کے جامع ومصنف ہو چکے تھے۔ یہی سال (۱۳۲۵ھ) ان کی تکمیل تحصیل کا سن بھی ہے۔ خانقاہ عالم پناہ حضرت مخدوم عبدالحق چشتی ردولوی کے صاحب سجادہ حضرت شاہ التفات حسین علیہ الرحمہ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ امام احمد رضا بنفس نفیس موجود تھے۔ واضح رہے، اس زمانے میں آج کی طرح دستار بندی کے جلسے، دھوم دھڑاکے نہیں ہوا کرتے تھے۔ بس استاذ کے علاوہ دوسرے جید علمائے عصر امتحان لیا کرتے تھے اور فضیلت کی سند دے دی جاتی تھی۔ اسی سال امام احمد رضا نے ان کو ملک العلماء اور فاضلِ بہار کا خطاب دیا اور اسی برس اپنے پیر ومرشد سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ العزیز کی تقریب عرس، جو بریلی ہی میں منعقد ہوئی تھی۔ خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

غرض ان چار، پانچ سالوں (۱۳۲۱ھ-۱۳۲۵ھ) میں بریلی میں تعلیم حاصل کی، فتوے بھی لکھے، استاذ علام کے فتاویٰ کے املا بھی کیے، حوالوں کی تلاش بھی کی، کتب ورسائل تبییض بھی کی، کتابیں بھی لکھیں، رسائل بھی ترتیب دئے، تعلیق لکھی، شرح لکھی، وہ بھی عربی زبان میں، مناظرہ بھی کیا، علمی وعرفانی فیوض وبرکات سے سرخ رو بھی ہوئے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے، کس قدر ذہین تھے، چاق وچوبند تھے، بلند اقبال اور طالع آزما تھے۔ شاید اسی لیے امام احمد رضا نے ان کو 'ملک العلماء' کے ذی وقار خطاب سے نوازا۔ یعنی تمام علوم وفنون اور علما کا بادشاہ قرار دیا۔ امام احمد رضا جانتے تھے، اس معزز لقب کا وہی حق دار ہے اور وہی تمام فنون میں علما کی رہنمائی وقیادت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ملک العلماء امام احمد رضا کے معیار و مقیاس پر مکمل پورے اترے اور اپنے مرشدِ برحق کی سچی علمی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

ملک العلماء اپنے دور کے ملک العلماء تو تھے ہی، اس دور کے بھی ملک العلماء ہیں۔ آج بھی ان کے فنی رشحاتِ قلم سے فضلائے عصر استفادہ کرتے ہیں اور انصاف پسند علما اعترافِ حقیقت کرتے ہیں۔ اس وقت میرے سامنے 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ' ہے، جو ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں یونیورسل لیتھو ورکس، نوروجی اسٹریٹ، ممبئ سے چھپی ہے۔ اس میں وہی قضیہ ہے، جو حدائق بخشش حصہ سوم سے متعلق ہے۔ اس میں ملک العلماء نے جو نپا تلا جواب دیا ہے۔ اردو، فارسی، عربی کے دواوین سے اشعار تشبیب نقل کر کے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت کی ہے، اس سے صاف عیاں ہے کہ حصہ سوم کی ترتیب واشاعت پر توبہ ورجوع سرے سے لازم نہیں آتی۔ قصیدہ اپنی جگہ ٹھیک ہے، صرف ترتیب اشعار کا فرق ہے۔

بات تھی، ملک العلماء کے اوائل عمر کی۔ شعبان میں درسیات کی تکمیل ہوئی، شوال ۲۵ھ میں مدرس سوم بنا دئے گئے۔ اب ملک العلماء منظر اسلام میں درس دینے لگے۔ جس کی تاسیس میں ان کا مؤسسانہ رول رہا تھا۔ مطبع اہلِ سُنّت وجماعت کے مہتمم قرار دیئے گئے۔

یہ مطبع ۱۳۱۳ھ کے بعد بریلی میں قائم ہوا تھا، مطبع کے قیام میں امام احمد رضا کے مسودات اور فتاوے کو صاف کرنے لگے، خطوط وفتاویٰ کا املا کرنے لگے، ان کاموں کے کتب ورسائل بھی تحریر کرنے لگے، ضرورت پڑی تو خطاب ومناظرہ کے لیے جانے لگے، مطالعہ وتدریس، مطبع کا اہتمام اور حساب وکتاب، فتویٰ نویسی، امام احمد رضا کے رشحات وتحریرات کی صفائی وترتیب واملا، اپنے کتب ورسائل کے مواد کی تلاش وترتیب، سوچا جا سکتا ہے ملک العلماء کس مشینی رفتار سے کام انجام دیتے تھے اور ابھی عمر کا وہی بائیسواں سال تھا۔

۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۹ھ تک ملک العلماء کی وہی سرگرمیاں رہیں، جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ۱۳۲۶ھ میں علاقہ میوات گئے، عربی زبان میں مناظرہ کر کے مخالف مناظر کا پانی اُتار دیا، دیکھیے، شکستِ سفاہت، رودادِ مناظرہ۔ اسی سال انہوں نے 'سبط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ' لکھی، 'الفیض الرضوی فی تکمیل العمری' لکھی، فتاوے لکھے، ۱۳۲۷ھ میں 'المجمل العدد لتالیفات المجدد' ترتیب دی، جو تصانیفِ رضا کے تعین میں سنگ میل ثابت ہوئی، ۱۳۲۸ھ میں 'سجم الکلندہ علی الکلاب الممطرۃ' لکھی، ۱۳۲۹ھ میں 'النبراس لدفع ظلام المنہاس' لکھی۔ یہ چھ کتابیں قیامِ بریلی کے دورانِ تدریس تصنیف کیں، دن رات مصروفیات کا عالم تو وہی تھا جو اوپر بیان ہوا۔ اس لیے ان برسوں میں شاید زیادہ کچھ نہ لکھ سکے، لیکن ان کے لکھنے سے زیادہ اہم اعلیٰ حضرت کے علمی کاموں میں ہاتھ بٹانا تھا، جو انہوں نے کیا اور آج تمام خواجہ تا شانِ رضویت کے لیے سرمۂ چشم بنا، جب کہ سن کا وہی تیئسواں، چوبیسواں، پچیسواں، چھبیسواں برس تھا۔

کم وبیش ۹ رسال ملک العلماء بریلی میں رہے، قریب پانچ سال تو درسیات پڑھی اور چار سال درسیات پڑھائی۔ ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم نعمانیہ لاہور سے درخواست بھی آئی اور امام احمد رضا نے اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں بھیجنے کی آمادگی بھی ظاہر کی۔ مگر ایسا معلوم

ہوتا ہے، ملک العلماء لاہور نہیں گئے۔ شاید اُن کے استاذ اور احباب کو اتنی دور اُن کا جانا پسند نہیں آیا۔ ۱۳۲۹ھ کو اعلیٰ حضرت کے معتقد قاضی الحاج عبدالرزاق رضوی نے بے حد اصرار کیا، تو امام احمد رضا نے ان کو جامع مسجد شملہ کے خطیب و امام بنا کر وہاں بھیج دیا۔ ملک العلماء جو علمی شخصیت کے مالک تھے، صرف خطابت و امامت پر کب قناعت کر سکتے تھے، چنانچہ وہاں اُن کا قیام بہت مختصر رہا، پھر بھی منہاس صاحب کے ردّ میں ایک رسالہ 'النبراس لدفع ظلام المنہاس' لکھا، جس کا سالِ تالیف ۱۳۲۹ھ ہے۔ یہ شملہ کی ایک تقریر پر منہاس صاحب کے اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ یہیں انہوں نے ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ملاقات کی اور اس مسئلے کی تصدیق چاہی جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے بریلی جا کر امام احمد رضا سے گفتگو کی تھی اور مسئلے کا حل دریافت کیا، یہ مسئلہ ریاضی سے متعلق تھا۔ تفصیلات حیاتِ اعلیٰ حضرت میں دیکھی جائے۔

اس سال یا اس کے اگلے سال ملک العلماء مدرسہ حنفیہ آرہ تشریف لے گئے، یہ مدرسہ نیا تھا، بانی تھے حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب الہٰ آبادی، جو امام احمد رضا کے اخص الخاص احباب میں سے تھے۔ مولانا الہٰ آبادی کے بے پناہ اصرار اور امام احمد رضا کی اجازت و ایما سے ملک العلماء شملہ سے آرہ بحیثیت صدر مدرّس منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی وہ کچھ ہی مدت رہے۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ قائم ہوا، بانی تھے مسٹر سید نور الہدی ڈسٹرکٹ سیشن جج، انہوں نے اپنے والد ماجد سید شمس الہدیٰ کے نام پر یہ مدرسہ قائم کیا تھا، ملک العلماء کو پیش کش ہوئی۔ انھوں نے وہ وہاں مدرس اوّل کی حیثیت سے صدارت کا عہدہ سنبھالا، وہ یہاں ۱۳۳۴ھ تک تعلیم دیتے رہے، فقہ، حدیث، تفسیر و دیگر فنون پڑھاتے رہے۔ اس چار سالہ دورِ قیام میں ملک العلماء نے یہاں درج ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

۱) فنِ توقیت میں 'الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت' ۱۳۳۰ھ

۲) فنِ تکسیر میں 'اطیب الاکسیر فی علم التکسیر' ۱۳۳۰ھ

۳) فنِ فقہ میں 'التحقیق المبین لکلمات التوبین' ۱۳۳۰ھ

۴) فنِ نحو میں 'التعلیق علی شروح المغنی' ۱۳۳۱ھ

۵) فنِ مناظرہ میں 'رفع الخلاف من بین الاحناف' ۱۳۳۲ھ

۶) فنِ فقہ میں 'القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر' ۱۳۳۲ھ

۷) فنِ مناظرہ میں 'کشف الشور عن مناظر رام پور' ۱۳۳۲ھ

۸) فنِ حدیث میں 'نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینۃ' ۱۳۳۲ھ

۹) فنِ انساب میں 'خیر السکوک فی نسب المملوک' ۱۳۳۳ھ

۱۰) فنِ سیرت میں 'جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان' ۱۳۳۳ھ

۱۱) فنِ مناظرہ میں 'گنجینۂ مناظرہ' ۱۳۳۴ھ

امام احمد رضا کا پہلا خط ملک العلماء کے نام ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ کا ملتا ہے، جو علم الاعداد میں ہے۔ دوسرا خط ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ کا ہے۔ آخری خط ۱۳۳۹ھ کا ہے۔ یہ آخری ۱۴/ ذیقعدہ کے بعد یا ذی الحجہ کا ہے۔ یعنی مرشد کریم کے وصال سے دو ڈھائی مہینے پہلے تک ملک العلماء سے اعلیٰ حضرت نے خط و کتابت جاری رکھی۔ یہ کل ۴۴/ خطوط ہیں، ان خطوط کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، ملک العلماء جہاں کہیں رہے، امام احمد رضا کی تربیت، ہدایت، مشورے سے ایک پل غافل نہیں رہے۔ نہ ہی امام احمد رضا نے اپنی نظر سے انھیں دور رکھا، سوادِ خطوط بتاتا ہے، ایک دوسرے کے دل میں کتنی محبت تھی، اپنائیت تھی، کتنا مضبوط تعلق خاطر اور احترام تھا۔ علمی، معنوی، روحانی فرزند تو تھے ہی، لگتا ہے، عینی، حقیقی، صلبی، فرزند ہیں، پل پل نظر رکھی جا رہی ہے، لمحہ لمحہ خبر دی اور لی جا رہی ہے۔ یہ دلی تعلق، قلبی لگاؤ، ذہنی جھکاؤ آج کل کے مرید و شاگرد کے لیے بھی درسِ عبرت ہے، تو اساتذہ و مشائخ

کے لیے بھی مقامِ عبرت ہے۔

۱۳۳۴ھ کے وسط یا اواخر میں ملک العلماء سہسرام تشریف لے گئے، جہاں وہ قریب ۱۳۳۸ھ تک علومِ شرعیہ وشرقیہ کی تعلیم دیتے رہے، وعظ وخطاب کرتے رہے، مباحثہ ومناظرہ میں بھی حصہ لیتے رہے، اپنے علمی ذوق کی تسکین بھی کرتے رہے۔ امام احمد رضا کی تصنیفی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے، ملک العلماء کے نام خطوطِ رضا میں اس کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ملک العلماء قیام سہسرام کی یہ علمی یادگاریں ہیں۔

۱) فنِ صرف میں	عافیہ لکھی،	یہ درسی کتاب ہے
۲) فنِ نحو میں	وافیہ لکھی،	یہ بھی درسی کتاب ہے
۳) فنِ منطق میں	تقریب لکھی،	یہ بھی درسی کتاب ہے
۴) فنِ فلسفہ میں	تہذیب لکھی،	یہ بھی درسی کتاب ہے
۵) فنِ ہیئت وتوقیت میں	مؤذن الاوقات لکھی،	جس نے تمام اکنافِ ہند کے مسلمانوں کی ضرورت پوری کی اور آج تک کر رہی ہے
٦) فنِ ہیئت وتوقیت میں	بدر الاسلام لکل الصلوٰۃ و الصیام لکھی،	جو ابھی غیر مطبوعہ ہے
۷) فنِ فقہ میں	تحفۃ الاحباب فی فتح الکوّۃ والباب	لکھ کر ایک بہت بڑے فتنے کو سرد کر دیا
۸) فنِ نحو میں	مغنی اللبیب کی شرح لکھی،	جو عربی زبان میں ہے
۹) فنِ نحو میں	نظم المبانی فی علم المعانی لکھی،	جو غیر مطبوعہ ہے

۱۰)	فنِ سیرت میں	تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار لکھی	یہ بھی غیر مطبوعہ ہے
۱۱)	فنِ تکسیر میں	الاکسیر فی علم التکسیر لکھی	یہ بھی غیر مطبوعہ ہے
۱۲)	فنِ ترجمہ میں	امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور کا	ترجمہ کیا
۱۳)	فنِ تنقید میں	حکیم عبدالحیٔ کی رپورٹ ندوۃ العلما پر تنقیدی و احتسابی مقالہ لکھا	جو دبدبۂ سکندری رام پور میں چھ سات قسطوں میں چھپا

۱۳۳۸ھ ہی کے کسی مہینے میں ملک العلماء دوبارہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ باصرار بلا لیے گئے۔ چنانچہ ملک العلماء سہسرام سے پٹنہ تشریف لے آئے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں پھر وہی فنِ فقہ، فنِ حدیث، فنِ تفسیر کی متداول و منتہی کتب زیر درس آ گئیں۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، توقیت میں تو وہ اپنے دور کے تنہا تاجدار تھے ہی، ان فنون میں بھی طلبا کے علاوہ اساتذہ و علمائے عصر کی تربیت کرتے رہے، ان علوم کو سیکھنے کے لیے علما دور دراز سے خط و کتابت کرتے تھے، پٹنہ میں قیام کر کے بھی سیکھتے تھے۔ الغرض ملک العلماء ہر کام اپنے وقت پر نہایت منضبط انداز میں سرانجام دیتے تھے، تحریکِ ترکِ موالات کا طوفان اُٹھا تو ملک العلماء نے ایک طرف پٹنہ میں محاذ سنبھالا اور 'ہادی الہداۃ لترک الموالات' لکھ کر قوم پرست علما اور سیاست دانوں کو متنبہ کیا، تو دوسری طرف علی گڑھ سے علامہ سید سلیمان اشرف پروفیسر شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی نے زبردست علمی مقالات لکھ کر امام احمد رضا کے موقف کی حمایت کی۔

المختصر ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ملک العلماء دور رہ کر بھی امام احمد رضا سے فیض

اُٹھاتے رہے، وہ دوری کوئی اور نہیں، فقط زمینی اور مکانی تھی۔ ۱۸؍برس کی عمر میں ملک العلماء امام احمد رضا سے جو قریب ہوئے، وہ قربت امام احمد رضا کے وصال تک کوئی ۲۰/۱۹؍برس تک قائم رہی، اس رشتۂ قربت و محبت کو بجا طور پر اٹوٹ رشتہ کہا جاسکتا ہے۔ اپنے حلقۂ مریدین میں یا امام احمد رضا کے چاہنے والوں میں اہلِ سُنّت یا مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند کرنا یا رکھنا آسان بات ہے کہ وہ اپنا خیمہ ہے، اپنی دنیا ہے، لیکن جہاں ہر مدرسۂ فکر کے لوگ ہوں، وہاں نظریاتِ رضا کا پرچم لہرائے رکھنا، مشکل کام ہے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ میں ہر خیال کے اساتذہ تھے جنھوں نے مختلف مدارس میں مختلف اساتذہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ تین اساتذہ مدرسۂ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور مولوی محمود الحسن دیوبندی کے تلامذہ میں تھے وہاں کے پرنسپل اُن کے تلامذۂ خاص تھے۔ دو استاد ندوۃ العلما کے تعلیم یافتہ تھے۔ ایک استاذ کا تعلق ٹونک اور رام پور کے مدرسے سے تھا تو دوسرے کا پھلواری شریف سے جن کی کتاب ''احسن المقال فی رویۃ الہلال'' کے ردّ میں ملک العلماء کو'جامع الاقوال فی رویۃ الاھلال' لکھ کر شائع کرنی پڑی۔ رویتِ ہلال کے اختلافی مسئلے پر یہ کتاب ۱۳۳۵ھ میں لکھ کر شائع کی گئی۔ مدرسے کے جن دو (ناظم اعلیٰ، پرنسپل) کی ماتحتی میں انھیں سال بھر تک کام کرنا پڑا وہ دونوں دیوبندی تھے اور شیخ الہند کے تلامذۂ خاص میں شمار کیے جاتے تھے۔ برطانوی حکومت کی سرپرستی میں قائم اس مدرسے میں طلبا بھی بریلی، مرادآباد، بدایوں کے مدارس کے طلبا کی طرح خالص سُنّی حنفی نہ تھے۔ ان میں غیر مقلد بھی تھے، اہلِ حدیث بھی تھے، مدرسہ دیوبند کے اساتذہ کے ہم عقیدہ بھی تھے، شیعہ بھی تھے اور ایک ہندو طالب علم بھی تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد اُن کا نام سچید انند سہنا بتاتے ہیں جنھوں نے مدرسے میں تعلیم حاصل کر کے مولوی، عالم اور فاضل کی سند حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ وہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز ترین شاگردوں میں تھے۔ حضرت کی متعدد تصانیف

انھیں کے قلم کی تبییض کردہ ہے۔ ملک العلماء نے ان مشکل حالات میں بھی وہاں اہلِ سُنّت کا پرچم ایسی تاب وتوانائی سے اُٹھائے رکھا کہ کسی کو پل مارنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ یہ بھی ملک العلماء کی ایک انفرادی خصوصیت ہے، یہی خصوصیت ہمیں رئیس المتکلمین حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے صحیفے میں نظر آتی ہے۔ جب کہ اس وقت علی گڑھ میں دین سے بے رغبتی عام تھی۔

زمینی دوری کے ان نو دس برسوں (۱۳۳۰ھ-۱۳۴۰ھ) میں بھی ملک العلماء کارِ رضا میں ہمہ تن مستعد رہے، ذکرِ رضا کرتے رہے، ترانۂ رضا پڑھتے، پڑھاتے رہے۔ ان کی صحبت کے فیض اُٹھانے والے، اُن کی مجلس میں بیٹھنے والے، اُن سے درس لینے والے، سب کے دلوں میں نامِ رضا گھر کرتا گیا، سب کے ذہنوں پر ذکرِ رضا چھپتا رہا، وہ خود بیعت نہیں کرتے، اپنے چاہنے والوں کو امام احمد رضا سے کراتے، حجۃ الاسلام سے قریب کرتے، مفتی اعظم ہند کے پاس بھیج دیتے، طلبا کو منظر اسلام پہنچا دیتے، پڑھاتے خود تھے، تیار خود کرتے، اُن کی دستار منظر اسلام سے کراتے تھے۔ جب منظر اسلام قائم ہوا تھا تب بھی وہ خط لکھ لکھ کر دور دراز علاقوں سے طلبہ کو بلا کر منظر اسلام میں داخل کراتے تھے۔ خود انہوں نے کوئی مدرسہ نہیں قائم کیا، ساری عمر منظر اسلام کی وفاداری میں کام کیا۔

بات تھی ملک العلماء کے ان نو دس برسوں کی، جب وہ بریلی بعد مکانی پر رہے، ان برسوں میں خط کتابت کا سلسلہ رہا اور خوب رہا۔ خط کتابت کے لفاف وملفوف سے جو باتیں سامنے آتی ہیں، جو خطوط امام احمد رضا نے انھیں ارسال فرمائے ہیں، ملک العلماء کی سیرت، حیات، علوم، تصانیف، خصوصیات لکھنے کے لیے بس وہی خطوط کافی ہیں۔ امام احمد رضا ہی نے خاکہ کھینچ دیا ہے، ذیلی عنوانات قائم کر دیئے ہیں،

''سُنّی خالص مخلص ہادی مہدی ہیں''

یہ جملہ ملک العلماء کی شفاف سیرت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

''درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں''

کہہ کر باکمال مدرّس ہونے کی ضمانت دے دی ہے۔ ملک العلماء کے درس کی خصوصیات پر باقاعدہ ایک باب لکھا جاسکتا ہے۔ان کے تلامذہ پر کئی ابواب تیار ہو سکتے ہیں۔

''مفتی ہیں''

یہ جملہ بھی ایک باب کا عنوان بن سکتا ہے۔

''مصنف ہیں''

اس جملے پرتو ایک پوری کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

''واعظ ہیں''

وعظ وخطاب پرتو ملک العلماء کے کئی رسائل لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔مزید ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔سب کو جمع کر دیا جائے،تو ایک ضخیم جلد 'خطباتِ ملک العلماء' کے نام سے چھپ سکتی ہے۔

''مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں''

یہ جملہ فنِ مناظرہ میں مہارت وکمال کی کھلی شہادت ہے،اس سے بھی مکمل ایک جلد کتاب بآسانی بن سکتی ہے۔

''علمائے زمانہ میں توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''

یہ جملہ اس بات کے ثبوت کے لیے بہت کافی ہے کہ اس علم میں ملک العلماء علمائے عصر کے مرجع ومقتدا تھے اور آج بھی ہیں۔

ملک العلماء کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے یہ جملے اس وقت لکھے (جو سند کا درجہ رکھتے ہیں) جب ملک العلماء صرف ۲۵ ربرس کے تھے،پچیس سالہ نوجوان ملک العلماء پر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اتنا اعتماد تھا۔ جب یہ صغر سنی کا عالم تھا، تو کبر سنی کا عالم کیا رہا ہوگا۔ جو علمی رسوخ، فنی حذاقت و مہارت لوگ چہل سال کے بعد حاصل کرتے ہیں، ملک العلماء پچیس برس کی عمر میں حاصل کر چکے تھے، وہ بھی امام احمد رضا کی علمی و فنی تجربہ گاہ میں، امام احمد رضا کی تحریری و قولی ثبوت و شہادت کے ساتھ۔ جبھی تو اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء فرمایا۔ تمام علما کے بادشاہ اور سچ یہ ہے کہ وہی اس عظیم خطاب کے مستحق بھی تھے۔ پھر وہ مدتِ مدید علومِ رضا، فنونِ رضا، افکارِ رضا کی نیابت، نقابت کرتے رہے۔

امام احمد رضا عالمِ علومِ کثیرہ تو تھے ہی، عاملِ عملیاتِ عجیبہ بھی تھے۔ مارہرہ مطہرہ کے حضرت نوری میاں نے ایسے اعمال و اسرار سربستہ کی تعلیم دی تھی، جو کسی بھی امر میں اکسیر، تریاق، تیر بہ ہدف، شہد کلید سے کم نہیں۔ چنانچہ امام احمد رضا نے ملک العلماء کو ان علوم و اسرار سے قلبی حصہ دیا اور حفاظت فرمائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ''میں جن اُمور میں ہوں، اگر آپ تفصیل لکھوں، تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے، مگر آپ کی یاد دل کے ساتھ ہے۔ جو عظیم ساعت میسر ہوئی، محض عطیۂ الٰہی تھی، اس میں یہ نقوش تیار کیے، جو مرسل ہیں''۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں ''ایک کی ساعت وقت صبح کی تھی اور دوسرے کی افضل الساعات ساعت اخیرہ جمعہ اور بعد نمازِ جمعہ، ایک نقش آپ کے لیے چاندی کا کندہ کرایا۔''

امام احمد رضا طبیب و حکیم بھی تھے، ایک خط میں حکمت و طب کی تعلیم وہ بھی 'کاشف الاسرار' کے حوالے سے دے رہے ہیں، جو مارہرہ مطہرہ کا مجرب و آزمودہ ہے۔ شب برأت کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہیں، ایک پرچہ بھیج کر عوامی اصلاح و اعمال کی ترغیب دیتے ہیں، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''آپ اور مولانا حامی سُنّت، ماحی بدعت حاجی محمد لعل صاحب سلمہما جو کچھ خدماتِ دین کر رہے ہیں، اللہ عزوجل برحمتہ قبول فرمائے اور دو جہان میں اس پر اجرِ جزیل

دے اور ہمیشہ اعلائے دین پر منصور رکھے‘‘۔ایک اور جگہ لکھتے ہیں ’’افسوس! ادھر نہ مدرّس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مال دار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں‘‘ یہی جملہ عنوانِ مضمون بھی ہے اور ’ایک لعل خان کیا کیا بنائیں‘ حضرت مولانا محمد لعل خان مدراسی پر بھی آج تک کچھ نہیں ہوا، جو حقیقتاً مجاہدِ اہلِ سُنّت تھے۔کوئی فاضل ان پر کام کرے،تو یہ ایک نادر تاریخی باب ہوگا، مواد سب موجود ہے، مگر منتشر ہے۔صرف جمع کر دینے کی ضرورت ہے۔خود اعلیٰ حضرت کی تحریری شہادتیں درجنوں ہیں۔ایسی گمنام کڑیوں پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔سالارِ وقت حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی تاریخ رضویات کا دوسرا تابناک باب ہے۔یہ وہی قاضی صاحب ہیں، جن کی خدمات کی سراہنا خود امام احمد رضا نے کی۔دعوت قبول کی، بیمار ہوئے، تو عیادت کی، وصال ہوا، تو خود قبر میں اُترے، قاضی صاحب کی نعش کو اُتارا اور یہ کہتے ہوئے سلادیا ع جا میری جاں خدا حافظ

قاضی صاحب کا انتقال عین عہدِ شباب میں ہوا، اس کم عمری میں بھی جو انہوں نے خدمتِ دین تاریخ رقم کی، اس کا اعتراف زمانے کو ہے۔یہ وہ شخصیات ہیں، جو امام احمد رضا کے نورتنوں میں ہیں اور اپنی اپنی جگہ ایک عہد اور ایک تاریخ ہیں۔ماضی کے ان آئینوں کو سامنے لانے کی از حد ضرورت ہے، تاکہ حالیہ نسلوں کو سوئے حرم بلانے میں مدد مل سکے۔

موضوع تھا، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں، کیا کیا کریں، کب کب جائیں، کہاں کہاں جائیں، درس گاہ میں پڑھائیں، دارالافتا میں فتویٰ لکھیں، دارالتصنیف والترجمہ میں تصنیف کریں، ترجمہ کریں، درسی کتابیں تیار کریں یا درسی کتابوں کی شرح لکھیں، کتابیں چھپوائیں، رسائل بٹوائیں، مضامین شائع کریں، اخبارات و جرائد پر نظر رکھیں، خلافِ شرع باتوں کی نوٹس لیں، کیا کیا کریں، کہاں کہاں جائیں، وعظ کریں، تقریر کے لیے دورے کریں، مناظرہ کے لیے میوات جائیں، کلکتہ جائیں، برما جائیں، مدراس جائیں،

رام پور جائیں، بنارس جائیں، کہاں کہاں جائیں، آریہ سماجوں سے مناظرہ کریں یا وہابیوں سے مناظرہ کریں، کیا کیا کریں؟ روداد ِسفر لکھیں، یا سرگزشت مناظرہ لکھیں، کیا کیا لکھیں؟ علومِ قدیمہ پڑھائیں یا علومِ جدیدہ پڑھائیں، حدیث وتفسیر کا درس دیں، یا ہیئت وتوقیت کی کلاس میں بیٹھیں، پورے ہندوستان کی مسجدوں کے اوقاتِ نماز کا نقشہ بنائیں یا روزہ وافطار کا ٹائم ٹیبل بنائیں، خطوں پر خط ہے، تاروں پر تار ہے، فرمائش پر فرمائش ہے، کیا کیا کریں؟ کیا کیا بنائیں۔

۱۸/برس کی عمر میں امام احمد رضا کا وہ لاڈلا امام احمد رضا کی درس گاہ میں بیٹھا تو عمر کی ۸۲/ویں پائیدان تک اُٹھنا نصیب نہ ہوا، تا آں کہ وہ دنیا سے اُٹھ گئے۔ چند ہی سال وہ طالب علم رہے، ساری عمر طالب علموں میں گھرے رہے۔ ان طالب علموں میں صغیر السن بھی تھے، شاب السن بھی تھے، کبیر السن بھی تھے۔ علما وفقہا تک ان کی درس گاہ میں بیٹھے، اکتسابِ علم کیا، جدید علوم سیکھے، وقت کے سجادہ نشین ہوں، صدر المدرسین ہوں، شیخ الحدیث ہوں سب اُن کی درس گاہِ فیض سے سیراب ہوئے۔ ایسی کثیر الجہات مصروف ترین شخصیت کے بارے میں امام احمد رضا کا یہ ریمارک 'ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں' کتنا برمحل ہے۔ خدا رحمت کند ایں پاک طینت را۔

اب ایک بات کر کے رخصت ہوتا ہوں، پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے لکھا ہے ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں ملک العلماء جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار (قدیم پورنیہ) تشریف لے گئے۔ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج، پٹنہ آکر مقیم ہو گئے۔ ملک العلماء کا پورنیہ میں دو سالہ قیام کیسے رہا؟ ہوسکتا ہے، یہ کتاب کی غلطی ہو، دس سالہ کو دو سالہ بنا دیا ہو۔ امامِ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ جو ملک العلماء کے قابلِ فخر تلمیذ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں، وہ فرماتے ہیں: پانچ سال تو مَیں نے

خدمت کی ہے اور یہ کوئی ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا۔ لہٰذا پانچ سالہ قیام تو میرا آنکھوں دیکھا ہے، حسنِ اتفاق سے ملک العلماء کا ایک فتویٰ اس وقت سامنے ہے۔ جس پر سے نومبر ۱۹۵۴ء کی تاریخ درج ہے۔ اختتامیہ جملہ یہ ہے:۔ والسلام علی اہل الاسلام محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار، ضلع پورنیہ، بقلم محمد عبدالرشید متعلم جامعہ لطیفیہ۔ اب یہ ابہام زیادہ بہتر انداز میں حضرت پروفیسر موصوف دور کر سکتے ہیں۔ ایک اور بات یہ بقلم محمد عبدالرشید متعلم جامعہ لطیفیہ۔ کون ہیں، یہ وہی متعلم ہیں جو بعد میں حضرت مولانا محمد عبدالرشید رشیدی ہو کر دار العلوم مصطفائیہ خانقاہِ رشیدیہ جمخانہ بازار پورنیہ کے صدر مدرس اور ناظم اعلیٰ ہوئے۔ جس میں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ۱۹۶۲ء۔ ۱۹۶۳ء میں مدرس تھے۔

☆☆☆

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری، لاہور

حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ کے بھتیجے محترم حکیم نصیر الدین مدظلہ (مالک نظامی دواخانہ، کراچی) نے ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ مولانا محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ (جھنگ) علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے ایسے باکمال شاگرد تھے کہ اگر وہ پسِ پردہ بیٹھ کر پڑھا رہے ہوتے تو علامۃ الہند کا کوئی جاننے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ مولانا محمد حسین پڑھا رہے ہوں یا علامۃ الہند؟ غرض یہ کہ وہ ہو بہو اپنے استاد کی کاپی تھے، مولانا احمد رضا بریلوی کے تو ایسے کئی شاگرد تھے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کرامت ہی کہیے کہ ان کے تلامذہ اور خلفا نہ صرف علم و فضل بلکہ صلابتِ دینی میں بھی اُن کے مظہر تھے۔ اُن میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا علامہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے باکمال اساتذہ مثلاً حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کان پوری سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رام پوری کے خاص تلامذہ مولانا محمد بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رام پوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا۔ تاہم جس ہستی سے وہ سب سے زیادہ مستفیض اور متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز تھے۔

ملک العلماء بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہو گئے۔ ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کریں لیکن وہ ہر وقت مطالعہ و تصنیف میں مصروف رہتے تھے، نیز اُن کے یہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا۔ ملک العلماء کے جنوں خیز علمی شوق کی کرامت دیکھیے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیار کیا اور ان کی کوشش سے امام احمد رضا بریلوی کو مدرسہ منظر اسلام، محلّہ سوداگراں، بریلی شریف قائم کرنے پر راضی کیا۔ مدرسے کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۲۲ھ عدد برآمد ہوتے ہیں اسی سال یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ مولانا ظفر الدین بہاری اور ان کے ہم وطن دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ان دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی سے ''صحیح البخاری شریف'' ''اقلیدس'' کے چھ مقالے ''تصریح'' ''شرح چغمینی''، مکمل کر کے علمِ توقیت، جفر اور تکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے۔ تصوف کی کتابوں ''عوارف المعارف'' اور ''رسالہ قشیریہ'' کا بھی درس لیا۔ شعبان ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں علما کے جم غفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کی فرمائش پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہ‘ سجادہ نشیں ردولی شریف نے دستارِ فضیلت باندھی اور سند عطا کی۔ تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت و اجازت مطلقہ سے نوازا اور ''ملک العلماء'' ''فاضلِ بہار'' کا لقب عطا فرمایا۔

ملک العلماء، امام احمد رضا کے عزیز ترین اور مایہ ناز شاگرد اور خلیفہ تھے۔ کبھی اپنے مکتوبات میں انہیں لکھتے: ''حبیبی وولدی وقرۃ عینی'' (میرے پیارے، میرے بیٹے، میری

آنکھوں کی ٹھنڈک)

اور کبھی یوں تحریر فرماتے۔ ''جانِ پدر بلکہ از جان بہتر''۔

ملک العلماء کے بارے میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے تاثرات کا مرقع و مکتوب ہے جو انہوں نے انجمن نعمانیہ، لاہور کے ناظم خلیفہ تاج الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۵؍ شعبان المکرّم ۱۳۲۷ھ کو ارسال کیا۔ اس میں فرماتے ہیں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرّس اور اس کے علاوہ کارِ افتا میں میرے معین ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا سُنّی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں...... عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں...... مفتی ہیں...... مصنف ہیں...... واعظ ہیں...... مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علماء زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''۔

(مختارالدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء' ادارہ معارفِ نعمانیہ' لاہور۔ ص ۸)

امام احمد رضا خاں بریلوی نے ''الاستمداد'' کے نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا جس میں ذکرِ اصحاب و دعائے احباب کے عنوان سے اپنے خلفا و خصوصی احباب کا تذکرہ فرمایا، تیسرے نمبر پر ملک العلماء فاضل بہاری کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے ☆ اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

غرض یہ کہ ملک العلماء اپنے استاذ اور مرشد گرامی کے چہیتے اور خاص احباب میں سے تھے۔ وہ اُس دور کے مروّج علوم وفنون کے علاوہ علمِ جفر، تکسیر اور توقیت میں امام احمد رضا

کے مظہر اتم تھے۔ بلکہ توقیت میں تو بقول امام احمد رضا تنہا آگاہ تھے، یعنی پورے ہندوستان میں اُن کے پایے کا دوسرا عالم نہ تھا۔ بریلی شریف میں جو نقشہ اوقاتِ نماز شائع ہوتا تھا وہ ملک العلماء ہی تیار کرتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر ملک العلماء نے لاہور اور اس کے ارد گرد ڈیڑھ دو سو مقامات کے لیے دائمی نقشہ اوقات مرتب کر کے بھجوایا تھا جو ''مؤذن الاوقات'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ حزب الاحناف، لاہور کی طرف سے جو دائمی نقشہ اوقات شائع ہوتا ہے وہ ملک العلماء ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء صحیح معنوں میں فنافی الشیخ تھے۔ تمام عمر اُن کے گن گاتے رہے اور انہیں کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے۔ ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' میں ایک جدول نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجۃ قاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین، سیدی وسندی و ذخری لیومی وغدی، مولانا مولوی الحاج القاری شاہ محمد احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدسنا اللہ بسرہ الصوری والمعنوی نے میرے پڑھنے کے زمانے میں ایک مکمل جدول ترتیب دے کر طبع فرمایا تھا۔ مَیں اس جگہ بعینہ اس کو درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ اس فن کے شائقین کو اعلیٰ حضرت کے فیض و برکت سے بہت آسانی ہو''۔

(محمد ظفر الدین قادری، ملک العلماء: الجوہر والیوقیت، مطبع مراد آباد، ص ۲۶)

صحیح البہاری کے مقدمے کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

''ہم مقصد میں شروع ہونے سے پہلے ایک مقدمہ لاتے ہیں جو متعدد فوائد

پر مشتمل ہے۔ یہ فوائد ہم نے علمائے کرام خصوصاً سیدی و ملاذی، شیخی و استاذی، شیخ الاسلام والمسلمین، وارثِ علوم سید المرسلین، موید الملۃ الطاہرۃ، مجدد المائۃ الحاضرۃ مولانا اشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں اُن کی برکات سے نفع عطا فرمائے، کی تصانیف سے چنے ہیں۔‘‘ (اردو ترجمہ)

(ایضاً: صحیح البہاری، طبع اکبر آباد، ج ۲، ص ۳)

اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ملک العلماء علمِ ہیئت اور توقیت میں خصوصی مہارت کے حامل تھے اور ان علوم میں ہندوستان میں اُن کا کوئی معاصر نظر نہیں آتا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ’’شرح چغمینی‘‘ پڑھاتے ہوئے قوس سمت کے بیان میں سمتِ قبلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ جو علما اپنے آپ کو اس فن کا جاننے والا سمجھتے ہیں اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ اگر کسی جگہ کا عرض البلد مکہ معظّمہ سے زائد تو اس جگہ کے لوگ کسی قدر جنوب کی طرف جھک کر کھڑے ہوں اور اگر عرض البلد کم ہو تو شمال کی طرف جھکتے ہوئے کھڑے ہونا کافی ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ بعض طلبہ کو یہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔ انہوں نے اس وقت کے مشہور علما کے پاس درج ذیل استفتا بھیجا:

’’کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹنہ، پٹنہ، گیا، الہ آباد کا سمتِ قبلہ شمالی ہے یا جنوبی؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ان سب جگہوں کا قبلہ شمالی ہے۔ چونکہ یہ سب شہر مکہ معظّمہ سے زائد العرض ہیں اس لیے خیال ہوتا ہے کہ سمتِ قبلہ ان شہروں کا جنوبی ہونا چاہیے۔ نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سمتِ قبلہ میں عرض حرم سے عرض البلد کے زائد یا کم ہونے کا اعتبار نہیں، بلکہ موقع کے زائد یا کم ہونے پر انحراف کا مدار ہے، عرض موقع کیا چیز ہے؟

اور سمتِ قبلہ نکالنے کا کیا قاعدہ ہے؟''

یہ استفتا درج ذیل مشاہیر کو ارسال کیا گیا:

۱۔ مولانا سید سلیم احمد صاحب، ریاست ٹونک
۲۔ مولانا محمد فضل حق صاحب، پرنسپل مدرسہ علیہ، ریاست رام پور
۳۔ مولانا محمود صاحب، رائی بیٹھ، مدراس
۴۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب، ندوۃ العلما لکھنؤ
۵۔ مولوی انور شاہ صاحب صدر المدرسین، دیو بند
۶۔ مولوی سید سلیمان ندوی صاحب، دار المصنفین، اعظم گڑھ
۷۔ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد، کلکتہ
۸۔ مولوی کفایت اللہ صاحب، دہلی
۹۔ مولوی ماجد علی صاحب مدرس مدرسہ عالیہ، کلکتہ
۱۰۔ مولوی عبد اللطیف صاحب، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور
۱۱۔ مولوی ثناء اللہ صاحب، ایڈیٹر ''اہلِ حدیث'' امرتسر
۱۲۔ مولوی اشرف علی صاحب، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر

لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان مشاہیر میں سے اکثر نے خاموشی اختیار کی، بعض نے اس فن کے ساتھ دلچسپی نہ ہونے کا ذکر کیا اور جن بعض نے جواب دیا وہ بھی اگر خاموشی اختیار کرتے یا معذرت کر دیتے تو بہتر تھا۔ اُن کے جوابات پر ملک العلماء نے جو تبصرہ کیا وہ پڑھنے کے لائق ہے اور ''الجوہر الیوقیت'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

''سب سے پہلے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا جوب آیا۔ انہوں نے لکھا کہ مَیں سوال ہی نہیں سمجھا (جواب کیا دوں؟) اور سمتِ قبلہ نکالنے کا

قاعدہ کسی ہیئت داں سے پوچھا جاوے۔ شاید مدرسۂ دیو بند سے اس کا
جواب موصول ہو سکے۔ اشرف علیٰ''۔

(ظفر الدین بہاری، ملک العلماء: الجوہر والیوقیت، ص۹۰، ۱۸۹)

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری نے ''الجواہر والیواقیت'' میں متحدہ ہندوستان کے اضلاع کی سمتِ قبلہ بیان کی ہیں اور ہر شہر کا طولِ بلد، عرضِ بلد، قوسِ انحراف اور نقطۂ مغرب سے سمتِ انحراف بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''فقیر اپنے مسلمان بھائیوں کی نفع رسانی اور مساجد و صلاۃ کی صحت و درستی کے خیال سے صوبہ جات بنگال، بہار، ممالک مغربی و شمالی و پنجاب کے جملہ اضلاع کے سمتِ قبلہ نکال کر ایک جدول میں بہ ترتیب حروف تہجی مع طول بلد لکھ دیتا ہے، کہ جو صاحب خود نکالنا چاہیں اُن کو سہولت ہو۔''

(ایضاً: ص۲۱۹)

اس سے پہلے امام احمد رضا بریلوی کے بیان کردہ دس قواعد بیان کیے ہیں۔ ان قواعد کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس جگہ مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے رسالہ سمتِ قبلہ سے باب دوم پر اکتفا کروں جس کے دس قواعد تمام روئے زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل جبل، آبادی و جنگل سب کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض و طول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلا کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض و طول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے

اُٹھا دیئے جائیں تو کعبہ کو خاص روبرو پائیں‘‘۔(ایضاً۔ص ۲۰۶)

حضرت ملک العلماء ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تک یہیں فرائض تدریس انجام دیئے۔اسی سال شملہ کے جامع مسجد کے خطیب مقرر ہو کر گئے۔ پھر مدرسہ حنفیہ، آرہ میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرّس مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں حضرت سید شاہ ملیح الدین احمد، سجادہ نشیں خانقاہِ کبیریہ، سہسرام کے مدرسہ میں مدرّس اوّل ہو کر گئے۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء میں جب جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ گورنمنٹ کے زیر انتظام آیا تو سینئر مدرّس ہو کر واپس آئے۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۸ء کو جامعہ کے پرنسپل ہوئے۔ ۲۲رنومبر ۱۹۴۹ء کو رخصت لے کر آرام کیا اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل، شاہ گنج پٹنہ میں مقیم رہے، حضرت سید شاہ شاہد حسین سجادہ نشیں تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق کی استدعا پر ۲۱رشوال المکرّم ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور صدر مدرّس کی مسند کو زینت بخشی۔

(محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت ،ص ۱۱۲،۱۱۱)

غرض یہ کہ تمام زندگی تعلیم تبلیغ وتصنیف اور خدمت دین میں بسر فرمائی۔اور قابلِ صد فخر کارنامے انجام دیئے۔

ملک العلماء کی زندگی کے آخری دو سال تصنیف وتالیف، وعظ وہدایت اور فتویٰ نویسی میں صرف ہوئے۔جس رات اُن کی رحلت ہوئی اُس رات بھی آپ نے چار خطوط تحریر کیے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے، لیکن اُن کے روزانہ کے دینی معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ ۱۹رجمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸رنومبر ۱۹۶۲ء کی رات ذکر جہر اللہ، اللہ کرتے ہوئے جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ

تعالیٰ عنہ دسویں گیارہویں صدی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

(مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیاتِ ملک العلماء، ص ۱۶)

حضرت ملک العلماء کے فرزند ارجمند اور ہندوستان میں جدید ادب عربی کے معدودے چند فضلا میں سے ایک فاضل، ڈاکٹر مختار الدین مدظلہ ہیں، جو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس وقت علی گڑھ ہی میں قیام پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت با کرامت رکھے۔ آمین

جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ نے ملک العلماء کی ستّر تصانیف کے نام اور اُن کا تعارف پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ''حیاتِ ملک العلماء'' مطبوعہ ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور ملاحظہ ہو۔ درج ذیل سطور میں اُن کی چند منتخب تصانیف کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

۱۔ ''شرح کتاب الشفاء تعریف حقوق المصطفیٰ'' (سال تصنیف ۱۳۲۴ھ)

سیرتِ طیبہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی شفاء شریف کی نامکمل شرح۔

۲۔ ''التعلیق علی القدوری'' (۱۳۲۵ھ) مشہور درسی کتاب قدوری پر عربی حاشیہ (فقہ)

۳۔ ''تقریب''، علمِ منطق میں مفید رسالہ صغریٰ سے سلم تک کے مسائل کا جامع (منطق)

۴۔ ''وافیہ'' (۱۳۳۵ھ) نحومیں سے مغنی اللبیب تک مسائل کا جامع رسالہ (نحو)

۵۔ ''موذن الاوقات'' (۱۳۳۵ھ، اوراس کے بعد) مختلف شہروں کے اوقاتِ نماز، سحری وافطار، انتہائے سحر اور ضحوۂ کبریٰ کا بیان (متعدد رسائل) (توقیت)

۶۔ ''ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ'' (۱۳۴۵ھ) تحریکِ ترکِ موالات کے ردّ میں (سیر)

۷۔ ''جامع الرضوی'' المعروف بہ ''صحیح البہاری'' (۱۳۴۵ھ) (حدیث) تعارف آئندہ

سطور میں آئے گا۔

۸۔ ''نافع البشر فی فتاویٰ ظفر'' (۱۳۴۹ھ) ملک العلماء کے فتوؤں کا مجموعہ (فتاویٰ)

۹۔ ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' (۱۳۵۳ھ و بعد)

حضرت سید شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۷/رجب کو رجبی شریف کے جلسوں کا اہتمام کیا اور تقریر کے لیے حضرت ملک العلماء کو دعوت دی۔ یہ جلسے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے شروع ہو کر ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء تک جاری رہے، ممکن ہے کہ بعد میں بھی جاری رہے ہوں۔ ہر سال یہ تقریریں قلم بند کر لی جاتیں اور ملک العلماء ان پر نظر ثانی کر لیتے تھے۔ ''تنویر السراج'' اسی سلسلۂ تقاریر کا نام ہے پہلے سال ''بسم اللہ شریف'' پر ڈھائی گھنٹے تقریر ہوئی۔ دوسرے سال کلمہ ''سبحان'' پر۔ تیسرے سال ''کلمہ الذی'' پر۔ غرض یہ کہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف پر سال بسال تقریریں ہوتی رہیں اور یہ سلسلہ تیرہ سال تک جاری رکھا۔ ہمارے عزیز دوست مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نے دو تین رسائل شائع کر دیئے ہیں۔

۱۰۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' (۱۳۶۹ھ) سنِ عیسوی کے اعتبار سے اس کا تاریخی نام ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' (۱۹۳۸ء) اور ہجری کے اعتبار سے ''مظہر المناقب'' (۱۳۶۱ھ) ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا مستند تذکرہ ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اب تک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنیادی یہی کتاب ہے۔ اس کی ایک جلد مکتبہ رضویہ، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ افسوس کہ باقی جلدیں مولانا شاہ محمود احمد قادری مؤلف ''تذکرہ علماء اہلِ سُنّت'' حضرت ملک العلماء کے صاحب زادے صاحب سے لے گئے تھے جو بسیار کوششوں کے اُن سے حاصل کر کے رضا اکیڈمی نے شائع کر دی ہیں۔ ایک اور نسخہ ڈاکٹر مختار الدین صاحب کے کسی پرانے صندوق میں ملا جو انہوں نے لاہور میں پیر

زادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کوارسال کردیا جوانہوں نے مکتبۂ نبویہ کے تحت شائع کر دیا۔

جناب سید صابر حسین شاہ بخاری، ناظم ادارہ فروغِ افکارِ رضا، برہان ضلع اٹک، پنجاب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی مکمل اشاعت کے بارے میں ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی البہاری کے لختِ جگر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی، یونی ورسٹی، پٹنہ، ہندوستان) سے استفسار کرتے ہیں:

''حیاتِ اعلیٰ حضرت کی باقی جلدیں بھی آپ نے چھپوانے کا وعدہ کیا تھا لیکن......نہ چھپ سکیں......آخر یہ باقی جلدیں کہاں گئیں......انہیں زمین کھا گئی یا آسمان! آخر ماجرا کیا ہے؟''

پروفیسر مختار الدین صاحب اُن کے جواب میں لکھتے ہیں:

ماجرا یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) برسوں کی محنت کے بعد ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' چار جلدوں میں (۱۳۶۹ھ/ ۱۹۳۸ء) میں مرتب کی۔ پہلی اور دوسری جلد کا مسودہ انہوں نے مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی کو (اشاعت کے لیے) کراچی بھیجا۔ انہوں نے پہلی جلد مکتبہ رضویہ، کراچی سے جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع کی۔ پھر اس کو آپ (علامہ اقبال احمد فاروقی) نے اپنے اہتمام میں تین حصوں میں مرکزی مجلس رضا، لاہور سے ۱۹۹۲ء میں دوبارہ چھاپ کر عام کیا۔ دوسری جلد کے بارے میں مولانا سید ایوب علی مرحوم نے قلتِ وسائل کا شکوہ کیا اور لکھا کہ پہلی جلد کی آمدنی سے دوسری اور اسی طرح ساری جلدیں چھاپ دی جائیں گی۔ غالباً سُنّیوں اور رضویوں کی بے حسی اور عدم دلچسپی کے بنا پر سید صاحب کے پاس اتنا سرمایہ کبھی جمع نہ ہوسکا کہ وہ دوسری جلد کی اشاعت کا بیڑا اُٹھا سکتے۔ کچھ دنوں کے بعد سید صاحب کا وصال ہوگیا۔ ان دنوں ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' پاکستان میں نہ چھپ سکی تو

ہندوستان میں کیا چھپتی۔

کوئی تیس برس ہوئے ایک رات مولانا مفتی محمود احمد قادری (بغیر کسی سابقہ تعارف کے) علی گڑھ کے ایک سُنّی عالم اور طبیب حاذق جناب پروفیسر حکیم خلیل احمد صاحب جائسی (استاد طبیہ کالج، مسلم یونی ورسٹی) کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے آئے۔ تعارف ہوا تو معلوم ہوا سُنّی رضوی عالم ہیں، حضرت حجۃ الاسلام کے شاگرد ہیں، مدرسہ منظر اسلام بریلی کے تعلیم یافتہ ہیں اور مشہور عالم مفتی رفاقت حسین (استاد مدرسہ کان پور) کے صاحب زادے ہیں۔ اُن کی زیر تالیف کتاب ''تذکرہ علماء اہلِ سُنّت'' کا بھی ذکر سُن رکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کا مسودہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہیں دکھایا گیا۔ پھر انہوں نے کہا آپ کی اجازت ہو تو مَیں اسے شائع کر دوں۔ حکیم صاحب نے اُن کی تائید بلکہ سفارش کی۔ مَیں نے کہا سبحان اللہ! اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی کہ یہ سوانح عمری زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے۔ مَیں نے مشورہ دیا کہ پہلی جلد چھپ چکی ہے اسے فی الحال نہ چھاپیے۔ دوسری جلد شائع کیجیے اور اس کا مسودہ وہ مجھ سے لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کا خط آیا کہ سلسلۂ کلام دیکھنے کے لیے اور جلدوں کی ضرورت ہو گی۔ چنانچہ کتاب کی چاروں جلدوں کا مسودہ ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے میرا مشورہ نہ مان کر پہلی جلد کی کتابت شروع کروادی۔ چھوٹی تقطیع کے ۶۶ر صفحوں کے پروف میری نظر سے گزرے تھے، پھر معلوم نہیں کیا آفت بے چارے پر پڑی کہ اس کی طباعت رک گئی۔ اس زمانے میں برابر اُن سے خط کتابت ہوتی رہی، پھر آہستہ آہستہ کم ہو گئی۔ برسوں کے بعد انہوں نے اطلاع دی کہ اس کی کتابت کان پور میں ہو رہی ہے۔ مدت گزر گئی کتابت نے طباعت کی شکل نہیں دیکھی۔ استفسارِ حال کیا جواب نہ آیا۔ خطوط لکھتا رہا، جواب میں خاموشی رہی۔ پھر دہلی کے ایک رسالے میں اعلان ہوا کہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' پٹنہ سے چھپ رہی ہے۔ برسوں گزر گئے، کتاب غیر شائع شدہ

تھی۔ مولانا مفتی محمود میاں عالم ہیں، مفتی ہیں، پیر ہیں، اس بڑھ کر یہ کہ ''حامدی'' ہیں۔ ضرور چاہتے ہوں گے کہ یہ کتاب چھپ کر پھیلے۔ اس خیال سے کہ مالی حالت اچھے نہ ہوں اور کتاب کی اشاعت کا بوجھ نہ اٹھا سکتے ہوں، عرض کیا گیا کوئی بات نہیں، مسودہ بھیج دیں۔ یہ درخواست قابلِ اعتنا نہ ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی سے، آپ (علامہ اقبال احمد فاروقی) لاہور سے اور کئی اصحاب پاک و ہند، اس کی اشاعت کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن مفتی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ چاہتے ہوں گے کہ جب مسودہ مجھ سے مانگ کر وہ لے گئے ہیں تو شائع بھی وہی کریں۔ یہ تکلّف محض ہے۔ انہیں اندازہ نہیں سُنیوں کا کس قدر نقصان انہوں نے کیا ہے۔ تیس سال پہلے یہ کتاب چھپ جاتی تو اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل گئے ہوتے اور علمی دنیا چودھویں صدی ہجری کے ایک مقتدر عالم اور بے مثال مصنف سے کماحقہٗ واقف ہوتی۔

حکیم خلیل احمد اور مولانا ارشد القادری نے مسودے کی واپسی کی بہت کوشش کی، کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی سال ہوئے میرے ایک عزیز نسیم الحق (ایکزیکٹو انجینئر، بہار) مفتی محمود احمد کے گاؤں (بھوانی پور، مظفر پور) جا کر رمضان کے زمانے میں صبح سے شام تک اُن کے گھر ملاقات کے لیے بیٹھے رہے۔ عصر کے بعد گھر سے رقعہ آیا کہ میری طبیعت علیل ہے۔ اگر آپ لوگ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے مسودے کے لیے بیٹھے ہیں تو اطلاع دیتا ہوں کہ کتاب کان پور میں چھپ رہی ہے۔ اس بات کو بھی دس سال ہو گئے اور ہنوز روزِ اوّل ہے۔ نسیم الحق صاحب کے ساتھ بہار کے ایک مستند عالم علی احمد سیوانی بھی تھے۔

اب آپ ''جہانِ رضا'' کے ذریعے علمی و دینی دنیا کی آواز اُن تک پہنچائیں کہ اب وہ برائے کرم سُنیوں اور رضویوں پر کرم فرما کر مسودہ مجھے واپس کر دیں یا حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کو یا آپ کو یا پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کو بحفاظت تمام بھیج دیں۔ سارے سُنّی

بھائی اُن کے شکر گزار ہوں گے۔ ۳۰ رسال تک مَیں خاموش رہا اور اس بات کا منتظر رہا کہ مفتی صاحب اپنے فرائض کا احساس کریں گے۔ اور یا تو کتاب شائع کریں گے یا مسودہ واپس کریں گے۔ لیکن آج سید صابر حسین شاہ صاحب کی مندرجہ بالا سطریں (جہانِ رضا، شمارہ جولائی ۹۸ء ص ۱۰) اور اسی رسالے کے اگست ۹۸ء کے شمارے صفحہ نمبر ۱۹، میں آپ کے نام صاحب زادہ محمد الیاس قادری فاضلی صاحب (ملکوال، گجرات) کے مکتوب گرامی کی یہ عبارت دیکھ کر یارائے صبر نہ رہا، جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''چند سال پیشتر آپ نے 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' ۸ حصوں میں مرکزی مجلس رضا لاہور کی جانب سے طبع کروانے کا اعلان فرمایا تھا جس میں تین حصے پہلی جلد کے ملے باقی کیا ہوئے۔ غالبًا انڈیا کے کسی مفتی نے تین حصے دبائے ہوئے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ کسی نے اس سے واپس لینے کی ہمت نہیں کی۔ اور تو اور پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب قبلہ بھی بے بس نظر آتے ہیں اور بریلی شریف والے بھی خاموش ہیں۔ کیا وہ مفتی اتنا طاقتور ہے؟ کیا کوئی ہمت والا اس سے کتاب بازیافت نہیں کرواسکتا۔ کسی اداریے میں اس مسئلے پر بحث فرمائیں اور اچھی طرح فرمائیں۔''

صاحبزادہ صاحب کی یہ سطریں پڑھ کر ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا اور یہ سرگزشت آپ کو لکھ دی کہ آپ صورتِ حال سے واقف ہو جائیں۔ مفتی صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کبھی کبھی وعظ و نصیحت، تبلیغ و ارشاد کے لیے اپنے وطن سے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اپنے وطن مالوف (خانقاہِ قادریہ اشرفیہ بھوانی پور، ضلع مظفر پور بہار، ہندوستان) میں مقیم رہتے ہیں۔ انہیں خطوط لکھتے لکھواتے رہیے اور ان کے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ مسودہ واپس کردیں، مَیں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

علامہ ارشد القادری نے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا تھا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' مصنفہ ملک العلماء فاضل بہار حضرت علامہ ظفر الدین قادری رضوی کچھ دنوں بعد کسی اور نام سے شائع ہو جائے۔ کتاب کے چاروں حصوں میں 'حصہ دوم' اس لحاظ سے سب سے اہم ہے کہ اس میں تصانیفِ اعلیٰ حضرت کا مفصل ذکر ہے۔ جن کتابوں سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں، بلکہ جن کے نام بھی ہم نہیں سنے ہیں، توقع ہے کہ اس حصے میں ایسی نادر کتابوں کا ذکر ہوگا۔

کراچی کے اہلِ علم کے لیے خوش خبری یہ ہے کہ 'حیاتِ اعلیٰ حضرت' حصہ دوم کا ایک نسخہ بہ خط مصنف مولانا سید ایوب علی رضوی کے خانوادے میں کہیں دبا ہوا ہے، مل کر علما نے یہ حصہ اشاعت کے لیے انہیں بھیجا تھا۔ اس کی رجسٹری کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ احباب سے التماس ہے کہ سید صاحب کے خانوادے سے جو کراچی میں ہیں، رابطہ کر کے مسودے کا پتہ چلائیں۔ پروفیسر مسعود احمد اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے سکریٹری جنرل پروفیسر مجید اللہ قادری خاص طور پر توجہ فرمائیں۔

میرے پاس مفتی محمود احمد قادری صاحب کے سارے خطوط محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس ذوق وشوق سے انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پھر کیا ہوا کہ انہوں نے سخت سرد مہری اختیار کر لی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے، ہمیں توقع رکھنی چاہیے کہ کسی دن مسودہ واپس آئے گا اور ان شاء اللہ پوری کتاب شائع ہوگی، اسی طرح جس طرح ملک العلماء نے لکھی تھی۔ (بحوالہ ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، اکتوبر نومبر ۹۸ء)

۱۱۔ 'مشرقی کا غلط مسلک' عنایت اللہ مشرقی کے رسالہ 'مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹' کے جواب میں لکھا گیا، جس میں اُن کے اس دعوے کا علمی انداز میں جواب دیا گیا ہے کہ متحدہ ہندوستان

کی تمام مسجدوں کی سمتِ قبلہ غلط ہے۔

۱۲۔ 'المجمل المعد دلتالیفات المجدد' (۱۳۲۷ھ) سن مذکور تک امام احمد رضا خان بریلوی کی لکھی ہوئی ساڑھے تین سو تصانیف کا تعارف اس کے بعد سینکڑوں چھوٹی بڑی تصانیف ان کے قلم سے تیار ہوئیں۔

۱۳۔ 'الجواہر والیواقیت' (۱۳۳۰ھ) طلوع وغرب، نصف النہار، ضحوۂ کبریٰ، وقت عصر، ضرب ستینی، کسور اعشاریہ، حبیب لوگارثمی وغیرہ اہم مسائل آسان زبان میں بیان کیے ہیں۔افسوس کہ اس ضروری علم کے جاننے والے اس وقت ہمارے یہاں خال خال رہ گئے۔

۱۴۔ 'جواہر البیان' (۱۳۳۳ھ) علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت کتاب 'الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنفیۃ النعمان' کا اردو ترجمہ (تذکرہ)

۱۵۔ 'نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب' (۱۳۵۴ھ) فقہ۔یہ کتاب بہار کے مشہور اہلِ قرآن عالم سید محی الدین تمنا عمادی کے درج ذیل اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی۔

۱۔ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟

۲۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں ایصالِ ثواب کا کوئی دستور تھا یا نہیں؟

۳۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہلِ بیت اور صحابہ کرام جو وفات پاتے گئے، اُن کے لیے آپ نے یا آپ کے حکم سے صحابہ یا اہلِ بیت نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ پھر ایک بار کیا یا بار بار کیا؟

۴۔فقۂ حنفی میں ایصالِ ثواب کا طریقہ لکھا ہے یا نہیں؟ خود حضرت امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جواب میں حضرت ملک العلماء نے ایک مبسوط کتاب سپردِ

قرطاس کی، جس میں ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا۔ حال ہی میں یہ کتاب انجمن نواجوانانِ اہل سُنّت، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

۱۶۔ 'چودھویں صدی کے مجدد' (۱۳۶۷ھ) تیرہ صدیوں کے مجددین کی فہرست اور چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفصیلی تذکرہ وتعارف۔

حضرت ملک العلماء کی تصانیف کی فہرست میں سے چند منتخب کتب کا ذکر کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف ہی منتخب ہیں۔

صحیح البہاری

ہندوپاک بلکہ دیگر بلادِ اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف اور 'بلوغ المرام' 'اربعین نووی' وغیرہ کتب پڑھائی جاتی ہیں، ان کتابوں میں عموماً اور بالقصد وہی احادیث درج کی گئی ہیں، جو مذہب شافعی کی تائید کرتی ہیں۔

صدیوں تک ہندوستان میں شافعی علما کے تیار کردہ احادیث کے مجموعے ہی پڑھائے جاتے رہے، بالآخر علمائے احناف کی توجہ بھی ان احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی طرف ہوئی، جو احناف کی دلیلیں ہیں۔

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م:۱۰۵۲) نے 'فتح المنان فی تائید مذہب النعمان' کے نام سے ایک مجموعہ احادیث مرتب کیا، جن سے ائمہ احناف نے استدلال کیا ہے، اس کے بعد علامہ سید مرتضٰی زبیدی (م:۱۲۰۵ھ) نے 'عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ الامام ابی حنیفۃ' لکھی۔

ان کے بعد علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (م:۱۳۲۲ھ) نے ایک مجموعہ احادیث 'آثار السنن' کے نام سے مرتب کیا، لیکن یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی اور 'باب فی زیارۃ قبر

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

ملک العلماء نے احادیثِ شریفہ کا ایسا مجموعہ تیار کرنے کا پروگرام بنایا جس میں وہ احادیث جمع کردی جائیں جن سے مسلکِ اہلِ سُنّت و جماعت اور مذہبِ حنفی میں استدلال کیا جاتا ہے، ان کا منصوبہ فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق چھ جلدوں میں کتاب مکمل کرنے کا تھا، ترتیب اس طرح رکھنا چاہتے تھے:

۱) کتاب العقائد

۲) کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ

۳) کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم

۴) کتاب النکاح تا کتاب الوقف

۵) کتاب البیوع تا کتاب الغصب

۶) کتاب المشفعۃ تا کتاب الفرائض

پہلے دوسرے جلد کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا، یہ جلد ۹۶۰ صفحات اور ۲۹۴۷ احادیث پر مشتمل تھی اور چار حصوں میں شائع کی گئی، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کتاب مکمل ہوتی تو پچاس ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہوتی ......۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ریٹائرڈ پروفیسر حیدرآباد یونیورسٹی نے اسی جلد کا فوٹو لے کر اشاعت کی۔ پہلی جلد جو عقائد پر مشتمل ہے، اس کی فوٹو کاپی جناب ڈاکٹر ڈاکٹر مختارالدین احمد مدظلہ نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں بھجوائی، اس جلد پر تخریج اور تکمیل کا کام جناب محترم مولانا محمد عباس رضوی (گوجرانوالہ) انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی تصانیف سے احادیث مبارکہ لے کر انہیں ابوابِ فقہ کے مطابق مرتب کیا اور حدیث کی دیگر

کتابوں سے بھی استفادہ کیا، اس کی تائید صحیح البہاری کی پہلی جلد کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی کی ان تصانیف کی نشاندہی کی ہوئی ہے، جن سے انہوں نے احادیث حاصل کی ہیں۔امام احمد رضا خاں بریلوی نے اگر کسی حدیث کے راوی صحابی کا ذکر نہیں کیا تو اس کتاب میں صحابی کی جگہ چھوڑی ہوئی ہے اور اگر اس کے ماخذ کا ذکر نہیں کیا تو اس میں ماخذ کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے۔ اسی خلا کو مولانا محمد عباس رضوی پر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس کتاب کو موافق و مخالف علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، سید شاہ محی الدین، سجادہ نشین درگاہ مجیبیہ، پھلواری شریف لکھتے ہیں:-

> ''بحمدہ اللہ یہ تصنیف مذہب حنفیہ پر اغیار کے اس غلط الزام کا کہ یہ لوگ اقوالِ منصوصہ کو چھوڑ کر اقوالِ امام اعظم پر عمل کرتے ہیں، بہت کافی وشافی جواب ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ نے شمارہ جولائی ۱۹۳۲ء میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

> ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے، جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدوں میں تقسیم ہے......اس کی ابتدا میں فنِ حدیث پر حنفی نقطۂ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے، یہ علمِ حدیث وفقہ کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔''

اخبار 'اہلِ حدیث' امرتسر نے ۲۹ر جولائی ۱۹۳۳ء کے شمارے میں لکھا:

> ''صحیح البہاری یہ حدیث کی ایک جدید کتاب جو ایک حنفی عالم نے تخریج زیلعی وغیرہ سے ماخوذ کر کے لکھی ہے......ہمارے خیال میں حنفیہ کرام میں احادیث کا رواج ہونے سے حنفی، اہلِ حدیث میں جو خلیج ہے، وہ کم ہو جائے

گا، اس لیے فاضل مؤلف کی محنت قابلِ داد ہے۔''

اس جگہ محدثِ دکن حضرت مولانا سید ابوالحسنات عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۱۸/ربیع الثانی مطابق ۱۳۸۴ھ/۲۷/اگست ۱۹۸۴ء) کی تصنیف لطیف 'زجاجۃ المصابیح' کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔ یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل اور احناف کے لیے مشکوٰۃ المصابیح کے متبادل بہترین ذخیرۂ احادیث ہے۔ مشکوٰۃ شریف مذہب شافعیہ کے مطابق مرتب کی گئی ہے اور 'زجاجہ' میں مذہب حنفی کے دلائل جمع کر دئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ہندو پاک میں چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے، مولانا حافظ محمد شاہد اقبال کی نگرانی میں اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک اسٹال لاہور کی طرف سے چھپ رہی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

(خلفائے امام احمد رضا، مرتبین: علامہ عبدالحکیم شرف/ محمد عبدالستار طاہر، رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۴۵ تا ۶۳)

منظرِ اسلام کا پہلا طالب علم

استاذ العلما شیخ الحدیث مفتی عبدالقیوم ہزاروی لاہور

فاضل شہیر ادیبِ لبیب پروفیسر مختار الدین احمد آرزو نے 'صحیح البہاری' کے دوسرے ایڈیشن کے موقع پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۷/مارچ ۱۹۹۲ء میں مصنف اور کتاب کا تعارف قلم بند فرمایا، پروفیسر صاحب کا یہ تعارفی مقالہ جو ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے جو دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی ابتدا میں شاملِ اشاعت ہے جو مستند اور جامع بھی ہے، اگرچہ وہ تحریر مختصر ہے مگر دلالۃً مبسوط ہے، جس کے متعلق انہوں نے خود فرمایا:

"یہ چند صفحات مصنف علامہ ملک العلماء فاضلِ بہار پر جن میں ان کی زندگی اور تصانیف پر گفتگو کی گئی ہے ارتجالاً لکھ دیئے گئے۔ یہ اوراق ان شاء اللہ ایک مکمل سوانح عمری کے لیے جس کی ترتیب واشاعت کی ضرورت ہے پیش خیمہ ثابت ہوں گے" (مختار الدین احمد)

پروفیسر آرزو صاحب مدظلہ کے بیان سے ماخوذ ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا خلاصہ درج ہے، ملک العلماء کو دارالعلوم کا پہلا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔

نام : (علامہ مولانا مولوی) ظفر الدین

کنیت : ابوالمختار

لقب : ملک العلماء بہاری قادری رضوی

ولدیت : عبدالرزاق اشرفی

ولادت : ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ

وفات : ۱۱ر جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

مشہور اساتذہ:

امام احمد رضا...... مولانا وصی احمد سورتی ...... مولانا احسن کان پوری...... مولانا بشیر احمد علی گڑھی ...... مولانا حامد حسن رام پوری ...... مولانا کبیر الدین ...... مولانا ابراہیم ...... مولانا عبدالطیف...... مولانا محی الدین اشرف...... مولانا بدرالدین اشرف...... مولانا مہدی حسن...... مولانا اسمٰعیل بہاری...... قاضی عبدالزاق...... مولانا فخر الدین...... مولانا منعم ...... مولانا اکرام الحق...... مولانا معین اظہر...... مولانا عبداللہ کان پوری......

مدارس جہاں تعلیم حاصل کی:

گھر، مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین پٹنہ، مدرسہ حنفیہ پٹنہ، دارالعلوم کان پور، امدادالعلوم کان پور، احسن العلوم کان پور، دارالحدیث پیلی بھیت، مصباح التہذیب بانس بریلی، منظر اسلام بریلی شریف۔

مدارس جہاں تدریس فرمائی:

منظر اسلام بریلی شریف...... دارلعلوم جامع مسجد شملہ...... مدرسہ حنفیہ آراء ضلع شاہ آباد...... شمس الھدیٰ پٹنہ...... جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار ضلع پورنیہ...... مدرسہ ظفر منظر پٹنہ ...... جب کہ جامعہ نعمانیہ لاہور کے لیے تقرری ہوئی مگر بریلی شریف سے شملہ کے لیے اچانک منتقل ہونا پڑا۔

جن مدارس کے قیام میں سعی فرمائی:

اعلیٰ حضرت کے یہاں حاضری کے بعد دار العلوم منظر اسلام کے قیام کے لیے مولانا حامد رضا خاں، مولانا حسن رضا خاں کے اشتراک سے اعلیٰ حضرت سے منظوری لی اور خود اور ایک ساتھی سید عبد اللہ عظیم آبادی سمیت پہلے طالب علم بنے، جامع مسجد شملہ میں مدرسہ قائم فرما کر تدریس کی زندگی کے آخری دور میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں دو سال تدریس کے بعد اور کچھ پہلے اپنے گھر پٹنہ میں ظفر منزل کو مدرسہ کی صورت دی۔

بعض شریکِ درس حضرات :

مولانا عبد الرشید عظیم آبادی......مولانا غلام مصطفیٰ......مولانا ابراہیم روگانوی......سید غلام محمد بہاری......سید عبد الرحمٰن بیتھوی......مولانا محمد اسمٰعیل بہاری......مولانا نذیر الحق رمضان پوری......وغیرہ۔

چند مشہور تلامذہ :

مولانا احسن الہدیٰ، مولانا قمر الہدیٰ، مولانا سید فرید الحق، مولانا سید عاشق حسین فاضل شمسی، مولانا عمیم الدین، مولانا ظہوری نعیمی، مولانا حافظ عبد الرؤف صدر مدرس بریلی، مولانا نظام الدین بلیاوی، مولانا محمد یحیٰ بلیاوی۔

چند مشہور معاصرین :

مولانا حامد رضا خاں......مولانا حسن رضا خاں......مولانا مصطفیٰ رضا خاں......
مولانا محدث کچھوچھوی......مولانا نعیم الدین مرادآبادی......مولانا امجد علی صدر الشریعہ......
مولانا عبد السلام جبل پوری......مولانا احمد اشرف......مولانا دیدار علی......مولانا احمد مختار......
مولانا عبد العلیم میرٹھی......مولانا رحیم بخش......مولانا لعل خان......مولانا عبد الاحد......
مولانا برہان الحق......مولانا عبد الباقی......مولانا شفیع احمد......مولانا حسنین رضا خاں......

تصانیف :

شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی	۱۳۲۴ھ
خیر السلوك فی نسب الملوك	۱۳۳۳ھ
بدر الاسلام لمیقات کل الصلوة والصیام	۱۳۳۵ھ
مؤذن الاوقات	۱۳۳۵ھ
تنویر السراج فی ذکر المعراج	۱۳۵۳ھ
نافع البشر فی فتاویٰ ظفر	۱۳۶۹ھ
حیاتِ اعلی حضرت	۱۳۲۷ھ
المجمل المعدد لتالیف المجدد	۱۳۳۰ھ
ا لیواقیت والجواهر فی علم التوقیت	۱۳۳۰ھ
جواهر البیان	۱۳۳۳ھ
عافیه (صرف)	۱۳۳۵ھ
چودھویں صدی کے مجدد	۱۳۶۷ھ
الجامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری	۱۳۴۵ھ

اجمالی تعارف کے بعد مناسب تھا کہ ملک العلماء علیہ الرحمہ کے متعلق کچھ تفصیلی تعارف قارئین کی نذر کیا جاتا لیکن پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالے میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شخصی اور نجی معلومات، دین وملت کے لیے ان کے پرخلوص جذبات، احقاقِ حق و ابطالِ باطل میں مجاہدانہ مصروفیات، علوم وفنون کی کثرت و بہتات، تدریس وتالیف میں کثیر باقیات، زہد وتقویٰ پر دال قابلِ اعتبار واقعات اوران کی آغوشِ تربیت میں لکھنے والی یکتا شخصیات کو جامع انداز میں بیان کردیا ہے۔ اگرچہ ملک العلماء علیہ الرحمہ کی ظاہری اور باطنی عظمت کے اظہار میں پروفیسر صاحب کا اتنا ذکر کردینا کافی تھا۔

جس ذاتِ گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علوم وفنون حاصل کیے وہ اعلیٰ

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی تھے، جن کی صحبت میں وہ برسہا برس رہے۔ یہاں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا خلیفہ تاج الدین لاہور کے نام ایک مکتوب کو بیان کر دینا ہی مصنف رحمۃ اللہ تعالی کی ثقاہت علمی کا جامع بیان ہوگا۔

''مکرمی مولانا محمد ظفر الدین قادری فقیر کے ہاں اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتاب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرّس اور اس کے علاوہ کارِ افتا میں میرے معاون ہیں، مَیں اتنا ضرور کہوں گا، سُنّی خالص مخلص، صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی، عام درسیات میں عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔''

اور پھر اعلیٰ حضرت نے مصنف کے نام ایک مکتوب میں یوں فرمایا:

''آپ کے پاس بعونہٖ تعالی علمِ نافع ہے، ثبات علی السنہ ہے، اب کون زائد ہے، کسی پر نعمت بیشتر ہے آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر۔''

اور کبھی یوں اظہارِ تعلق فرمایا:

''حبیبی ولدی قرۃ عینی''

اور کبھی یوں خطاب فرمایا:

''ولدی الاعزہ، حامی سُنّت، ماحی فتن، جانِ پدر بلکہ از جان بہتر''

کلام الامام کے اس امام الکلام نے ملک العلماء علیہ الرحمہ والرضوان کے متعلق ہمہ پہلو باکمال بلکہ انتہائی باکمال اور جامع بے مثال ہونے کی شہادت دے دی تو امامِ اہلِ سُنّت مجددِ ملت رہبرِ شریعت وطریقت، مخزنِ علوم وحکمت، مظہر عجائباتِ قدرت کی اس جامع توصیف کے بعد کسی دوسرے کی کیا ہمت ہے کہ ملک العلماء کی توصیف وتعریف کا دعویٰ کرے، ہاں ''واما بنعمۃ ربک فحدث'' کے تحت اس نعمت الٰہی کی مدح ہر ممنون پر لازم ہے

کہ یہ شکرالٰہی ہے، نفس نعمت کا ذکراوراس کی مدح بھی منعم کاشکر ہے۔
(منظراسلام بریلی نمبر ماہ نامہ 'معارف رضا' کراچی جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء ص ۲۷۱ تا ۲۷۳)

ملک العلماء مولانا محمد ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ

پروفیسر محمد مسعود احمد، کراچی

علامہ محمد ظفرالدین رضوی (م۔۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) پاک وہند کے ممتاز علما میں شمار کیے جاتے ہیں:

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے مؤلف مولانا ظفرالدین بہاری ہندوستان کے مشہور معروف دانشور ڈاکٹر مختارالدین آرزو (سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کے والد ماجد اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے شاگرد وخلیفہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے ایک مکتوب (محررہ ۵/شعبان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء) بنام خلیفہ تاج الدین میں مولانا ظفرالدین کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مکرمی مولانا ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ منظر اسلام میں مدرس ہیں، اس کے علاوہ کارِ افتا میں میرے معین ہیں۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۲۴۴)

آپ کا نسب متعدد واسطوں سے محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے...... آپ ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجر (ضلع پٹنہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ شوال ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں مدرسہ حنفیہ غوثیہ (موضع بین، بھارت) میں داخل ہوئے اور متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم حنفیہ (بخشی محلّہ، پٹنہ) میں چلے گئے۔ یہاں استاذ العلما مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م:۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کے شاگرد اور شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (م،۱۳۱۳ھ) کے خلیفہ شیخ الحدیث علامہ وصی احمد محدث سورتی (م،۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) صدر مدرّس تھے۔ فاضل رضوی یہاں ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں کان پور جا کر مولانا احمد حسن کان پوری (م،۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) سے علوم وفنون کی اُمہات الکتب کا درس لیا۔ ان کے علاوہ دوسرے علما سے بھی استفادہ کیا۔ کان پور سے پھر علامہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوئے جو پہلے ہی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ یہاں فاضل رضوی ان کے درسِ حدیث میں شریک رہے اور حدیث پاک کی سماعت وقرأت کی۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں فاضل رضوی بریلی میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی (م۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصے مدرسہ مصباح التہذیب، بریلی میں پڑھتے رہے اور دارالافتا رضویہ میں مشقِ افتا کرتے رہے۔ پھر جب ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی قائم ہوا تو فاضل رضوی اس کے پہلے طالب علم ہوئے اور فاضل بریلی سے بخاری شریف اور مسلم شریف تا آخر پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمینی (مکمل) علمِ توقیت، علمِ جفر، علمِ تکسیر وغیرہ کی بھی تحصیل کی۔ اور تصوف میں ''عوارف المعارف'' اور رسالہ ''قشیریہ'' بھی پڑھا...... فاضل رضوی کو علمِ توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مفتی اعظم شاہ مظہر اللہ دہلوی (م،۱۳۸۶ھ

۱۹۶۶/ء) بھی اس کے معترف تھے۔فنِ حدیث میں ان کی مہارت پر کتاب ''جامع الرضوی'' شاہد عدل ہے......وہ ممتاز معلّم ومقرر اور محقق ومصنف تھے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے محبوب شاگرد اور محبوب معین ومددگار تھے۔لائق اور قابل استاذوں سے پڑھا۔

(مکتوب بنام مدیر سہ ماہی الکوثر، سہسرام، بھارت)

فاضل رضوی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں دار العلوم منظر اسلام، بریلی سے فارغ ہوئے اور دستارِ فضیلت حاصل کی...... وہ فتویٰ نویسی میں فاضل بریلوی کے معین بھی رہے۔سلسلۂ قادریہ میں فاضل بریلوی سے محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔

سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد فاضل رضوی مختلف مدرسوں میں بحیثیت مدرس اور صدر مدرس پڑھاتے رہے۔ وہ سب سے پہلے دار العلوم منظر اسلام، بریلی میں مدرس ہوئے۔ پھر فاضل بریلوی کے ایما پر جامع مسجد شملہ (بھارت) میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔......۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں الغربا آرہ چلے گئے، سال بھر مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں استادِ تفسیر وحدیث مقرر ہوئے۔۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کے اواخر میں خانقاہِ کبیریہ (سہسرام) میں بحیثیت صدر مدرّس مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت کے زیر اثر آیا تو فاضل رضوی یہاں بلائے گئے ......۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں سہسرام میں منتقل ہوکر مدرسہ شمس الہدیٰ میں آگئے اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ حدیث، فقہ اور ہیئت میں ان کا درس دور ونزدیک مشہور ہوا۔ ۱۳۶۸ھ /۱۹۴۸ء میں وہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوگئے اور ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ریٹائر ہوگئے۔

مختلف مدارسِ عالیہ میں خدمات اور ان کی زندگی دورِ جدید کے استادوں اور محققوں کے لیے نمونہ ہے۔علمِ ہیئت اور علمِ توقیت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بعد وہی مرجع بنے۔

(مکتوب بنام مدیر سہ ماہی الکوثر، سہسرام بھارت)

۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء سے ۱۳۷۰ھ/۱۹۱۵۱ء تک فاضل رضوی، ظفر منزل شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم رہے۔ ۲۹/شوال ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء کو کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کے صدر مدرس ہوئے۔ ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۰ء میں علالت کی وجہ سے واپس ظفر منزل، پٹنہ آ گئے......۱۹/ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۸/نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ انتقال فرمایا......''فاضلِ بہار'' آپ کا مادّہ تاریخ وفات ہے......مزار، مبارک محلّہ شاہ گنج، پٹنہ بھارت میں ہے۔ نرینہ اولاد میں اس وقت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو یادگار رہیں جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ عرصۂ دراز مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں صدر شعبۂ عربی اور ڈین رہے۔ آج کل جامعہ اردو، علی گڑھ میں نائب شیخ الجامعہ ہیں۔

فاضل رضوی کی تصانیف کی تعداد ۷۰ سے زیادہ ہے۔ 'صحیح البہاری' ان کی تصانیف میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ جس کی دوسری مطبوعہ جلدوں میں طہارت اور صلوٰۃ سے متعلق تقریباً دس ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں......''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' بھی اُن کی ممتاز تصانیف میں ہے۔ جس کی پہلی جلد عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔ دوسری و تیسری جلدیں (جو ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے پاس محفوظ ہیں) سنا ہے کہ ہندوستان سے شائع ہونے والی ہیں۔ اس کتاب کو اگر جدید سوانحی اُصول کے تحت مدون کیا جائے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جائے گی۔

(مکتوبات بنام مدیر سہ ماہی الکوثر، سہسرام، بھارت)

چند ایک کتب یہ ہیں۔

المجمل المعدد لتالیفات المجدد	(۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء)
الجوهر اليواقيت	(۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء)
مؤذن الاوقات	(۱۳۳۵ھ/۱۹۱٦ء)

اعلام الاعلام باحوال عرب قبل الاسلام	(١٣٤١هـ/١٩٢٤ء)
نهاية المنتهى شرح هداية المبتدى	(١٣٤٣هـ/١٩٢٤ء)
الافادات الرضويه	(١٣٤٤هـ/١٩٢٤ء)
صحيح البهارى	(١٣٤٥هـ/١٩٢٥ء)
تسهيل الوصول الى علم الاصول	(١٣٤٨هـ/١٩٣٠ء)
نافع البشر فى فتاوى الظفر	(١٤٣٩هـ/١٩٣٠ء)
الانوار اللامعه من الشمس البازغه	(١٣٥٧هـ/١٩٣٨ء)
الفوائد التامه فى اجوبة الامور العامه	(١٣٥٧هـ/١٩٣٨ء)
تحفة العظماء فى فضل العلما	(١٣٦٥هـ/١٩٣٦ء)
حیاتِ اعلیٰ حضرت (مظهر المناقب)	(١٩٣٨ء)چار مجلدات
زيج الايائى	(١٣٥٤هـ/١٩٢٦ء)
دلچسپ مکالمہ	(١٣٤٧هـ/١٩٢٨ء)
نصرة الاصحاب باقسام ايصال ثواب	(١٣٤٥هـ/١٩٣٧ء)
تنوير السراج فى بيان المعراج	(١٣٥٦هـ/١٩٣٧ء)
سدالفرار لمهاجر ى بهار	(١٣٦٦هـ/١٩٤٦ء)

(خلفامحدثِ بریلوی: پروفیسر محمد مسعود احمد/محمد عبدالستار طاہر، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۸ء ص ۱۰۶ تا ۱۱۰)

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ

(۱۳۰۳ھ/۱۳۸۲ھ)

ڈاکٹر حسن رضا خان، پٹنہ

ملک العلماء محمد ظفر الدین قادری بن الملک منشی محمد عبد الرزاق بن کرامت علی بن غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک تارتار بن ملک بہاء الدین بن ملک محمد اسمٰعیل بن الٰہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف گدن بن ملک خطاب الملک بن ملک علاء الدین علاء الملک بن داؤد بن ملک حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک ببوشہید بن حضرت سید ابوبکر بن ابوالقاسم عبداللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابومنصور عبد السلام بن سید عبدالوہاب بن غوث الثقلین وغیث الکونین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم ونفعنا اللہ ببرکاتہم۔

سلسلۂ نسب کے تیسویں بزرگ مدار الملک سید ابراہیم عرف ملک ببو کا سلسلہ بہار میں کافی پھیلا ہوا ہے۔ عالمِ اسلام کے مشہور بزرگ اور معقولی اور اصولی عالم حضرت ملا قاضی محبّ اللہ بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب مسلم العلوم و مسلم الثبوت اسی خاندان کے نامور فرزند تھے۔ پروفیسر ابوبکر احمد حلیم پرو وائس چانسلر علی گڑھ اور نامور سیاسی قائد و ماہرین

قانون مسٹر محمد یونس، بیرسٹر سابق وزیر اعلی بہار اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو مولانا ظفر الدین بہاری موضع رسول پور میجر ضلع پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم کے سلسلے میں مولانا خود تحریر فرماتے ہیں، اس دور انگریزی میں کہ ہر شخص سلطنت کی زبان سیکھنے سکھانے کا گرویدہ ہے حضرت عزت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے مذہبی عربی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی، باوجودکہ بعض خاص عزہ واقارب نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے۔ اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلوایئے مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔ (دیباچہ ’حیاتِ اعلیٰ حضرت‘)

بروز اتوار شوال ۱۳۱۳ھ مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں والد مکرم نے داخلہ کرایا۔ حضرت مولانا معین الدین ازہر اور حضرت مولانا بدرالدین اشرف اساتذہ مدسہ ہٰذا نے بڑی دلچسپی اور انہماک سے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دی، متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی مرحوم رئیس لودی کٹرا پٹنہ سٹی المتوفی ۱۳۲۶ھ کے قائم کردہ دارلعلوم حنفیہ بخشی محلّہ پٹنہ میں داخل ہوئے، اس وقت شیخ المحد ثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ المتوفی ۱۳۲۳ھ صدارت تدریس کی مسند پر رونق افروز تھے، محدث سورتی علیہ الرحمہ امام الحدیث حضرت مومن احمد علی محدث سہارن پوری المتوفی ۱۲۹۷ھ استاذ العلما مولانا لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۴ھ کے نامور شاگرد تھے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، مولانا ظفر الدین بہاری ۱۳۱۷ھ تک یہاں مصروفِ تعلیم رہے۔ آپ پٹنہ سے حصولِ تعلیم کے بعد کان پور پہنچے اور استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کان پوری قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۱۲ھ سے علوم وفنون کی اُمہات الکتبہ کا درس لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبداللہ کان پوری

المتوفی ۱۳۴۳ھ سے ہدایہ آخرین تحقیق سے پڑھی اور مولانا قاضی عبدالرزاق کان پوری علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۴۶ھ سے کتب حدیث میں استفادہ کیا۔ کان پور سے پھر اپنے مشفق استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچے جہاں وہ پٹنہ سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ امام اہلِ سُنّت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی جن کا محدث سورتی اپنے درس کے دوران بار بار ذکر کرتے تھے جس سے آپ کا اشتیاق بڑھا اور ۱۳۲۲ھ ہی میں فاضلِ بریلوی کی خدمت میں بریلی پہنچے۔ فاضلِ بریلوی کی تصنیفی اور افتا وغیرہ شدید بار کی وجہ سے کچھ دنوں کے لیے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں رہنا پڑا اور دارالافتا رضویہ میں حاضر ہو کر مشق افتا کرتے رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا سید شاہ عبدالرشید عظیم آبادی علیہ الرحمہ والرضوان بھی تھے، کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے، اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سُنّت مجدد مآۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت تلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنھوں نے بلاخوف لومۃ لائم مسائل شرعیہ ومسایل فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف وتصنیف افتا وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔

(دیباچہ 'حیاتِ اعلیٰ حضرت'، جلد اوّل مطبوعہ کراچی)

فاضلِ بریلوی چونکہ کسی باقاعدہ مدرسے میں تعلیم نہیں دیتے تھے اور کوئی مدرسہ بھی نہیں تھا۔ اس کمی کو آپ نے شدت سے محسوس کیا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب بریلوی المتوفی ۱۳۶۲ھ سے اپنا خیال پیش کیا۔ ان حضرات نے باہم مشورہ کر کے مولانا سید حکیم امیر اللہ بریلوی المتوفی ۱۳۲۲ھ کو فاضل بریلوی سے اس موضوع پر گفتگو کے

لیے آمادہ کیا۔ قیامِ مدرسہ کو آپ نے بڑی مشکل سے منظور کیا کیوں کہ دیگر مشاغل کی کثرت تھی۔ مولینا حسن بریلوی نے (تلمیذ داغ دہلوی) اس مدرسہ کا نام منظر اسلام رکھا، جس سے ۱۳۲۳ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے بھی آپ نے اکتسابِ فیض کیا۔ صحیح بخاری و مسلم از اوّل تا آخر آپ نے فاضل بریلوی سے پڑھی۔ ۱۳۲۵ھ میں فاضل بہاری اور مولانا عبد الرشید صاحب عظیم آبادی جو اس مدرسے کے سب سے پہلے طالب علم تھے۔ ان کی دستار بندی ہوئی فاضلِ بہاری اس مدرسہ میں مدرس مقرر کر لیے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حاجی عبد الرزاق قادری رضوی مقیم شملہ کے شدید اصرار پر فاضل بریلوی نے آپ کو جامع مسجد شملہ کی امامت اور خطابت پر مامور کر دیا۔ یہاں یہ مشہور ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم علی گڑھ سے آپ ملے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے جن مسائلِ ریاضی کا حل پوچھا تھا، تصدیق کی۔ حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی المتوفی ۱۳۴۲ھ نے مدرسہ فیض الغربا آرہ کے لیے شدید اصرار کیا اور درخواست کی کہ آپ فاضل بہاری کو ہمارے مدرسہ کے لیے بھیج دیجیے۔ چنانچہ ۱۳۳۰ھ میں فیض الغربا پہنچے اور پھر وہیں سے تقریباً سال بھر کے بعد الحاج سید نور الہدیٰ پٹنہ میں تشریف لائے۔

الحاج سید نور الہدیٰ المتوفی ۱۹۳۵ء ایم اے ایل ایل ایم کیمبرج یونی ورسٹی انگلینڈ نے اپنے دیرینہ دوست عزت مآب سر سید فخر الدین وزیر تعلیم حکومت بہار واڑیسہ و دیگر دین دار حضرات کی رائے سے یکم نومبر ۱۹۱۳ء ۱۳۳۰ھ کو مدرسہ شمس الہدیٰ کی بنیاد ڈالی تھی اور تفسیر وحدیث و فقہ کے درجات کھولے گئے۔ کچھ دنوں بعد جب مولانا مشتاق احمد کان پوری المتوفی ۱۳۵۳ھ مولانا احمد حسین کان پوری معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے تو آپ کو استاد تفسیر وحدیث اور مدرس اوّل منتخب کیا گیا۔

حضرت سید شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام جو فاضل بریلوی کے مخلصوں میں سے تھے۔انہوں نے حضرت شاہ حفیظ الدین صدر مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ فاضل بریلوی سے فاضلِ بہاری کی مانگ کی، منظوری کے بعد انہوں نے فاضل بہاری کو سہسرام کی دعوت کی اور منظوری کی فاضل بریلوی کو اطلاع بھی دی۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ کے اواخر میں آپ سہسرام بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔

مولانا محمود احمد قادری شمس الہدیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یکم جنوری ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ حکومت کے زیر اثر آ گیا۔سپردگی کے وقت مدرسہ شمس الہدیٰ میں نو مدرسین تھے، نئے انتظام کے بعد پرنسپل کے علاوہ پندرہ مدرسین کر دیئے گئے،اس وقت مدرسے کی نیک نامی کے لیے مرحوم جج صاحب نے حضرت الاستاذ ملک العلماء کو بلانا بہت ضروری سمجھا، چنانچہ حضرت الاستاذ دوبارہ ۱۳۳۸ھ کو سہسرام سے منتقل ہو کر شمس الہدیٰ آ گئے اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔فقہ حدیث اور ہیئت میں ان کا درس دور دور مشہور ہوا۔ ۱۶/جولائی ۱۹۴۸ء میں جامعہ کے شیخ الحدیث اور پرنسپل ہو گئے۔۲۲/نومبر ۱۹۴۵ء سے ۱۸/اکتوبر ۱۹۵۰ء تک خرابیِ صحت کی وجہ سے فرصت لے کر آرام فرمایا۔ ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک طویل مدت کی علمی خدمات کے بعد پینشن پر ریٹائر ہوئے۔ (ماہنامہ اشرفیہ ص ۲۱/جلد ۲/ شمارہ ۱۸۔جولائی ۱۹۷۷ء)

۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں مقیم رہے۔حضرت سید شاہ شاہد حسین سجادہ نشیں تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ المتوفی ۱۲۰۳ھ قدس سرہٗ کی استدعا پر ۲۹/شوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور اس کے صدر مدرس کے عہدے کو رونق بخشی۔ ۱۳۸۰ھ میں علالت کی وجہ سے ظفر منزل پٹنہ آ گئے۔ ۱۹/جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸/نومبر ۱۹۶۲ء شب دوشنبہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے ذکر اللہ اللہ کرتے کرتے جان جاں آفریں کے سپرد کر کے واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت شاہ ایوب ابدالی شاہدی رشیدی اسلام پوری نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (تذکرہ علماے اہل سُنّت ص۲۱۲) ان کا مزار پاک محلّہ شاہ گنج پٹنہ ۶ میں ہے۔

(سالنامہ 'معارف رضا' کراچی شمارہ نہم ۱۹۸۹ء ص ۲۲۷ تا ۲۳۲)

ملک العلماء: مکتوباتِ رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
ڈائریکٹر الرضا اسلامک مشن، بریلی

خطوط انسان کی سیرت و شخصیت کے بارے میں معلومات کا وسیلہ ہوتے ہیں اور اُن سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کا پتہ ملنے کے ساتھ ساتھ مکتوب الیہ کی سیرت و شخصیت بھی کافی حد تک اُجاگر ہوتی ہے۔ دنیا کی عظیم شخصیتوں کے خطوط سے ان کی حیات و شخصیات کے بہت سے پوشیدہ گوشے سامنے آئے ہیں اور اُن کے متعلقین و مخالفین (جن کو انہوں نے خطوط لکھے ہیں) کے مزاج و کردار اور شخصیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

امام احمد رضا کا شمار بھی دنیا کی عظیم شخصیات میں ہوتا ہے، انہوں نے بھی اپنے احباب و اصحاب اور مخالفین و معاندین کو خطوط لکھے ہیں۔ کاش! آج امام محترم قدس سرہ العزیز کے مکاتیب یکجا ہوتے تو اُن کی شخصیت کی اور بھی نئی جہتیں سامنے آتیں اور علم و تحقیق کے نئے باب وا ہوتے۔ یہ ہم مسلمانانِ اہلِ سُنّت بالخصوص رضویوں پر ملک العلماء حضرت

مولانا محمد ظفرالدین قادری علیہ الرحمہ والرضوان کا احسان ہے کہ اپنی تالیف ’’حیاتِ اعلیٰ حضرت‘‘ (حصہ اوّل) کے توسط سے ۱۴؍ویں صدی کے عظیم ترین مجدد اور متبحر عالم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات وشخصیت اور ان کے کارناموں سے روشناس کرایا بلکہ ’’مکاتیب رضا‘‘ کے جلوے دکھا کر ان کے مکتوب نگاری کی اندازان کے نثر کے شخصی اسلوب اور کئی اہم شخصیات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائیں۔

ملک العلمائسیدنا مولانا محمد ظفرالدین قادری کو امام احمد رضا سے تلمذ، بیعت اور خلافت واجازت کا شرف حاصل تھا، وہ برسوں خدمتِ رضا میں رہے اور علم وفضیلت و معرفت کے اس مہر درخشاں سے کسبِ ضیا کر کے آسمانِ علم وفضل کا ماہِ تاباں بن گئے کہ آج بھی جن کی چاندنی سے علم وفن کے شہرستانوں سے لے کر فکر ونظر کے شبستانوں میں اُجالا پھیلا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء امام احمد رضا کے صفِ اوّل کے ان ۱۴؍خلفائے کرام میں ہیں جن کا ذکر انہوں نے ’’الاستمداد علی ارجیال الارتداد‘‘ میں کیا ہے اور جنہیں بجا طور پر دربارِ امام احمد رضا کا چودہ رتن کہا جا سکتا ہے۔

’’الاستمداد علی ارجیال الاتداد‘‘ کے ص:۱۹؍ پر امام احمد رضا نے ملک العلماء کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

امام احمد رضا نے اپنے خلفِ اکبر وجانشین حجۃ الاسلام حضرت مولا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگ خلیفہ حضرت عبدالسلام جبل پوری والد حضرت برہان الملت رحمۃ اللہ علیہم کے بعد تیسرے نمبر پر سیدنا ملک العلماء کا ذکر کیا ہے اور میرے ظفر کہہ کر یاد فرمایا ہے،

اس سے ان کے لیے امام کی اپنائیت ومحبت اور قدر ومنزلت کا جو اظہار ہوتا ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

ملک العلمائ مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری کی ولادت ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء، وصال ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار کے ایک معزز اور علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، آپ کا نسب نامہ ۲۹ر ویں پشت میں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔(۲)

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرزاق قدس سرہ العزیز ایک باعمل عالم دین تھے۔ مولانا محمد ظفر الدین کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ''ملک العلماء'' اور ''فاضلِ بہار'' کے خطابات عطا فرمائے تھے۔

ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے حصہ اوّل میں امام احمد رضا کے ۵۷ر خطوط درج فرمائے ہیں۔ ان میں ۱۲ر خطوط مولانا عرفان علی بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں، ایک خط خلیفہ تاج الدین صاحب اور ایک منشی محمد لعل خاں (رحمۃ اللہ علیہما) کے نام اور ۲۳ر خطوط خود ملک العلماء کے نام ہیں۔ خلیفہ تاج الدین اور منشی محمد لعل خاں صاحبان کے خطوط میں بھی ملک العلماء کا ذکر ہے اور انہیں سے ان خطوط کا تعلق ہے۔

امام احمد رضا نے ملک العلماء کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں انہیں جن القابات سے یاد کیا ہے، ان کے بچوں کی خیریت دریافت کی ہے، اُن کے لیے دعائیں کی ہیں اور ملک العلماء سے جس طرح گھریلو قسم کی گفتگو کی ہے، اُن سے کتب ورسائل اور کتابوں کی عبارات وغیرہ طلب کیے ہیں، فتاویٰ اور تصانیف کی تعریف کی ہے، فقہی مسائل، فلسفہ ومنطق، توقیت،

تکسیر، ریاضی نجوم، ہیئت وغیرہ علوم وفنون سے متعلق کھل کر گفتگو کی ہے، انہیں ہدایات دی ہیں، مکاتیب کے ذریعے درس بھی دیا ہے، انہیں مناظرہ کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا ہے، سُنّیت کی فتح پر مبارک باد دی ہے اور بہت سے دینی، تبلیغی اور اشاعتی اُمور پر مشورے طلب کیے ہیں اور ہدایات دی ہیں۔ ان سے ملک العلماء اور رضا کے خصوصی تعلقات کا پتہ بھی چلتا ہے اور ملک العلماء کی سیرت وشخصیت بھی اُجاگر ہوتی ہے۔

مکتوبات احمد رضا سے ملک العلماء کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) ملک العلماء سے محبت اور دل میں اُن کی قدر ومنزلت (۲) دینی اور علمی معاملات میں ملک العلماء پر اعتماد۔

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اوّل صفحہ ۲۶۵ میں آپ کی محبت اور قدر ومنزلت میں امام احمد رضا نے ملک العلماء کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا ہے:

''حبیبی وولدی وقرۃ عینی ومولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب ...... ولدی وزینی وقرۃ عینی، برادر دینی، ولدی الاعز ولدی اعزک اللہ، میرے بجان عزیز، جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا ظفر ...... وغیرہ۔

ان القابات سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر ومنزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے ملک العلماء کی صاحبزادیوں اور ان کے فرزند دل بند صاحبزادہ ذی وقار پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کو دعائیں دی ہیں، ہر ایک کی خیریت دریافت کی ہے، اُن کے لیے تعویذات بھیجے ہیں اور ٹھیک اسی طرح ملک العلماء صاحب کو ان سب کے متعلق ہدایات دی ہیں، جس طرح ایک شخص اپنے بیٹے کو اپنے پوتے اور پوتیوں کے بارے میں دھیان رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

(الف) ''ذی الحجہ میں آپ نے عزیزیہ زرینہ اوراس کی بہن کا صحیح وقتِ ولادت مع طول وعرض موضع ولادت کھینچنے کو لکھا تھا، اب تک نہ آیا، مولیٰ عز وجل آپ کو جزاء وافر عظیم عطا فرمائے، آپ کی رضائی بہت محلِ رضا میں کام آئی، اس جاڑے میں جو رضائی یہاں یعنی بھاری اور بہت روئی کی تھی، ایک ولایتی صابر قانع کو سخت ضرورت تھی، وہ اُن کے نذر ہوئی اور آپ کی مرسلہ رضائی مَیں نے اوڑھی، جزاکم خیر جزاء کثیرا''۔

(مکتوب ۱۲، صفحہ ۲۶۰، حیاتِ اعلیٰ حضرت)

(ب) ''وہ پرچہ باحتیاط رکھ دیا تھا، اب تلاش کیا نہ ملا، بچیوں کو دعا''۔ (صفحہ ۲۸۱)

(ج) ''آپ کا خط مژدۂ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخی میں آیا، میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اوراس میں تاریخی نام مختارالدین (۱۳۳۶ھ) لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی، مَیں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھا، اب کہ خط آیا اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں جسے بھیجے ہوئے آج ۱۶/دن ہوئے، اگر ایسا ہے، تو اطلاع دیجیے کہ تار گھر سے مطالبہ ہو۔''

(د) ''نعمتِ تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجیے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶ھ) کہ آپ کے نام سے ملتا ہوا بھی ہے۔ جو میں نے ۲۸/ذی القعدہ ۳۶ھ روز جمعہ کو بھیجا، کیا آپ کو ملا؟''

مکتوباتِ امام احمد رضا سے ظاہر ہے کہ صاحبزادۂ ملک العلماء عالی جناب پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین صاحب کا یہ نام تاریخی سیدنا امام احمد رضا ہی کا رکھا ہوا ہے۔

ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر بحوالہ سید ایوب علی قدس سرہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''ص:۱۴۶ پر بھی فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''انہیں کا بیان ہے، پنج شنبہ کا دن ہے اور صبح کا وقت، حضور حجام سے خط بنوا رہے ہیں، قریب ہی تپائی پر بیٹھا ہوں کہ ڈاک میں ایک کارڈ مکرمی جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضلِ بہاری صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہِ سہرام مدظلہ العالی کا آیا۔ حسبِ ارشاد فقیر نے پڑھ کر سنایا، اس میں ممدوح نے فرزند ارجمند کی ولادت کی اطلاع دیتے ہوئے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی، حضور نے سُنتے ہی فی البدیہہ فرمایا، نام تو مختار الدین (۱۳۳۶) ہونا چاہیے اور دیکھئے، تو سید صاحب شاید تاریخ ہوگئی۔ مَیں نے جو شمار کیا تو پورے ۱۳۳۶ ہوئے اور یہی سنِ ولادت تھا''۔

یوں تو ہر سچا پیر اپنے مرید اور اپنے خلیفہ سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا ہے اور ہر ایک پر یکساں اپنی شفقتیں لٹاتا ہے۔ لیکن ہر ایک سے اس کی نیاز کیشی 'حدادب' سعادت مندی اور علم وفضل وغیرہ کے اعتبار سے محبت بھی کرتا ہے اور عزت بھی اور اس پر فخر وناز بھی کرتا ہے...... ملک العلماء کے معاملے میں امام احمد رضا کا یہی انداز تھا، یہ ملک العلماء کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اس سے ان کی سحر خیز شخصیت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

(۲) ملك العلماء پر اعتماد:

دینی، ملی، علمی، تبلیغی اور اشاعتی امور میں سیدنا امام احمد رضا حضرت ملک العلماء پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ ملک العلماء کے دینی درد، کام کرنے کی لگن، جذبے کے خلوص اور علم وفضل ہی کے سبب تھا۔ امام احمد رضا ملک العلماء کے علم وفضل کے بڑے معترف تھے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجیے اور ملک العلماء کی علمی شخصیت اور ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے:

(الف) ''وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی امید تھی کہ اصولِ

دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے، اپنے موافق آپ کا تصدیقی خط ''دبدبۂ سکندری'' میں چھپ چکا ہے، مگر اس قدر کافی نہیں، رسائل و مسائل بھیجتا ہوں، ایک مختصر فتویٰ اگرچہ دو ہی سطر کا ہو، اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں، فوراً فوراً ارسال کیجیے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ملک العلماء کی فتویٰ نویسی کے قائل تھے اور ان کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ امام احمد رضا جیسے عظیم فقیہ و مفتی اور اپنے زمانے کے امام اعظم ابوحنیفہ کا کسی کے فتویٰ کی تعریف کرنا، اس سے فتویٰ لکھنے کو کہنا بلاشبہ اس مفتی کی فقہی عظمت کا ثبوت ہے اور یہ شرف ملک العلماء کو حاصل ہے۔

اپنے سب سے پہلے فتویٰ کے متعلق ملک العلماء صاحب خود لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اسے دیکھ کر کتنے مسرور ہوئے اور انہیں انعام عطا فرمایا:

''سب سے پہلے جو فتویٰ مَیں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، حسنِ اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ مَیں نے لکھا اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔''

اس واقعے سے اپنے تلمیذ، مرید اور خلیفہ سے امام احمد رضا کی محبت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ فخر و ناز کا بھی کیسا اظہار ہوتا ہے؟

(ب) ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کی نقل بھیجئے...... عبارت ...... یہ عبارت یوں ہے یا کیا اس میں کیا فرق ہے، اس کا سابق و لاحق کیا ہے؟

''مبسوط'' چھپ گئی ہے مگر یہاں ابھی نہیں آئی، اب کہ بار نقشہ ماہِ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟ یہ خط ابھی ڈاک کو نہ بھیجا کہ آپ کا نقشہ سحر وافطار آیا۔ فجز اکم خیراً کثیراً۔

(ج) ''یہ نقش جلیل ہیں، ان کے مختلف شرائط تھے اور بقدرتِ الٰہی اس جمعہ کو سب جمع ہوگئے اور ان سے اور زیادہ تھے...... ان میں دو نقشوں میں مکتوب کے نام کے اعداد بھی کیے جاتے ہیں، یہ وقت بہت قلیل تھا۔ صرف پندرہ نام اس کے لیے تجویز کیے، ان میں ایک آپ کا نام تھا، نقوش حاضر ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مبارک فرمائے''۔

امام احمد رضا کا ملک العلماء سے سرخسی کی عبارت طلب کرنا، عبارت کے بارے میں استفسار کرنا، ماہِ مبارک کے نقشے کے سلسلے میں انہیں پر اعتماد کرنا، انہیں نقوش کے سلسلے میں ۱۵/آدمیوں میں ایک قابلِ قدر اور قابلِ اعتماد، نیز اس کا اہل سمجھنا وغیرہ ملک العلماء کے علمی وقار کو خوب خوب اجاگر کرتے ہیں۔

مکتوبات نمبر ۱۰، ۱۱ (حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ اوّل، ص: ۲۵۳ تا ۲۶۱ وص: ۲۶۲ تا ۲۶۴) میں امام احمد رضا کے قاعدے سے بھی آگاہ فرمارہے ہیں۔ مکتوب نمبر ۳۷، ص: ۲۹۰ تا ۲۹۸...... میں البرٹ ایف پورٹا سائنس دان ومنجم کی جھوٹی پیش گوئی ۱۷/دسمبر ۱۹۱۹ء کہ ستاروں کے اجتماع سے دنیا میں تباہی و بربادی آئے گی اور زلزلے برپا ہوں گے، وغیرہ، کے ردّ میں لکھے جانے والے مضمون کی نقل بھیج رہے ہیں۔ جناب رضا کا یہی مضمون بعد میں رسالہ ''معین مبین بہر دورِ شمس وسکونِ زمین'' کے نام سے شائع ہوا۔ البرٹ ایف پورٹا کی پیش گوئی کا انگریزی سے اردو ترجمہ ملک العلماء ہی نے کرا کے امام احمد رضا کو پیش کیا تھا۔

امام احمد رضا ملک العلماء کے نام خط لکھتے ہیں:

''مسودہ کی پہلی نقل آپ کو مرسل ہے۔ ''دبدبۂ سکندری'' وغیرہ جہاں بھیجئے۔ مگر جلدی چاہیے کہ ۱۷/دسمبر قریب ہے۔''

مسودہ کی پہلی نقل ملک العلماء کو بھیجنے میں یہ بات بھی رہی ہوگی کہ اگر وہ چاہیں، تو خود بھی مضمون کے سلسلے میں مشورے دیں گے، ساتھ ہی ساتھ مضمون کے مطالعے سے اپنے علم میں اضافہ کریں، اس لیے کہ ملک العلماء خود بھی ریاضی، نجوم، اور ہیئت وغیرہ میں کافی مہارت رکھتے تھے اور رضا کو اس کا اعتراف بھی تھا۔

(د) مناظرہ کے سلسلے میں ملک العلماء پر امام احمد رضا بڑا بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے فتح وظفر کی اُمید رکھتے تھے۔ بلکہ ہر محاذ پر باطل سے نبرد آزمائی کے سلسلے میں امام کو اپنے اس روحانی اور لائق و فائق خلیفہ سے فتح یابی کی پوری پوری امید رہتی تھی۔ تبھی تو فرمایا ہے ۔

میرے ''ظفر'' کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

مناظرہ ہی کے تعلق سے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو، فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی، راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ ہوگا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے، میں نے فاتحانِ بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں مگر انھوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اپنے اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو، لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں۔''

امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ نے سیدنا مولانا محمد ظفر الدین علیہ الرحمہ کو جو ۴۳ رخطوط لکھے ہیں، ان میں سے چند کے اقتباسات سے یہ بخوبی واضح ہے کہ امام احمد رضا ان سے

ازحد محبت کرتے تھے، ایک لائق اولاد اور سعادت مند مرید کی طرح چاہتے تھے اور ایک ذی علم اور متقی خلیفہ کی حیثیت سے ان پر ہر طرح اعتماد کرتے تھے اور انہیں اپنا سچا نائب ومظہر تسلیم کرتے تھے۔

امام احمد رضا کا وہ خط جو انہوں نے حضرت خلیفہ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ، مدیر نئی انجمن نعمانیہ لاہور کو ملک العلماء کی بابت تحریر فرمایا تھا، اس میں ان کی تمام تر صلاحیتوں اور خوبیوں کو امام نے خود ظاہر فرما دیا ہے اور ان کی اہمیت وعظمت واضح کردی ہے، لکھتے ہیں:

''مکرمی مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد میں تحصیل علوم کی، اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتا میں میرے معین ہیں، میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(۱) سُنّی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں، (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کرسکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں، امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرضِ کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات اصحاب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر گھر جا بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقاتِ طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لیے اور جملہ اوقاتِ ماہِ مبارک رمضان شریف کے لیے بھی بناتے ہیں، فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے، اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجیے۔'' (حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، مکتوب ۱)

اس مکتوب پر کوئی تبصرہ نہ کر کے صرف امام کے اس جملے ''فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے'' پر توجہ دلا کر نگاہِ رضا میں ملک العلماء کی عظمت واہمیت دکھانا چاہتا ہے۔اہلِ نظر خود محسوس کریں۔

امام احمد رضا جیسے دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہیے تھیں، وہ سبھی ملک العلماء میں موجود تھیں۔ خلفائے امام احمد رضا میں ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا کوئی نہیں ہے۔انہوں نے مختلف نقلی اور عقلی علوم وفنون پر بالخصوص فقہ، حدیث، سیر، نحو، فلسفہ، منطق، توقیت، ہیئت اور نجوم وغیرہ پر ستر کتابیں لکھی ہیں۔

''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' ان کی سب سے زیادہ مشہور اور علمی تالیف ہے، اس کے چار حصے تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔اس میں احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

رضویات پر اُن کی تین کتابیں بہت ہی مشہور ہیں اور اولیاتِ ملک العلماء میں شمار ہوتی ہیں، وہ ہیں (۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت (۲) چودھویں صدی کے مجدد (۳) ''المجمل المعدد فی تالیفات المجدد'' جہانِ سُنّیت اور دنیائے علم وادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات وشخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے۔آج گلشنِ رضویات کو توسیع اور تزئین اور آرائش میں جو باغبان و پاسبان مصروفِ عمل ہیں، انہیں عزم وحوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام انہیں ملک العلماء کا ہے۔آج کتاب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' ماہرین رضویات اور مسافرانِ راہِ رضویات کے لیے ماخذ اور منارۂ نور بنی ہوئی ہے۔

(ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص:۱۲تا۲۱)

جامعہ رضویہ منظر اسلام کا پہلا طالب علم

ڈاکٹر محمد اعجاز انجم، ایم اے، پی ایچ، ڈی
استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

afselslam
ing The True Teachings Of Quran & Sunnah

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں۔ آپ اس ذاتِ گرامی عالم ثانی کے شاگرد رشید اور خلیفہ نامدار ہیں جن کو دنیائے اہلِ سُنّت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک ''ملک العلماء'' کا کیا مقام اور مرتبہ تھا اور ان سے انہیں کس قدر پیار، لگاؤ، محبت، الفت تھی اس کا اندازذیل کے جملوں سے لگا سکتے ہیں۔

مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی۔ اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتا میں میرے معین ہیں۔ مَیں یہ نہیں

کہتا کہ جتنی درخواستیں آتی ہوں سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ (۱) سُنّی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علماء زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔ (حیاتِ ملک العلماء مطبوعہ لاہور ص ۸،۷)

مذکورہ خط میں اعلیٰ حضرت نے اپنے تلمیذ ارشد حضرت ملک العلماء کی شخصیت، صلاحیت کا پورا جائزہ اور ان کی حیات و خدمات کا مکمل آئینہ پیش کر دیا ہے۔ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کہاوت جو مشہور ہے وہ اس خط سے عیاں ہے۔ جن کو امام اہل سُنّت مجدد دین وملت اپنے قلم سے سُنّی خالص مخلص، ہادی، مہدی، مفتی، مصنف، واعظ، مناظر لکھیں اور علمائے زمانہ میں علمِ توقیت میں انہیں تنہا اور منفرد کہیں، ان کی صلاحیت، علمی لیاقت کا اندازہ ہم اور آپ کیا لگا سکتے ہیں۔ ہاں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو "ملک العلماء" کا خطاب اس عالی مرتبت شخصیت نے دیا ہے کہ جن کی دنیا "اعلیٰ حضرت" کہتی ہے اور مانتی ہے، جن کی حق گوئی و بے باکی اور کمالاتِ علمی کا چرچا آج پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت بھی ہے کہ انہوں نے اپنی حیات میں کسی کی بے جا اور مبالغہ آمیز تعریف نہیں کی۔ نواب نان پارہ کے لیے جب قصیدے کی فرمائش کی گئی تھی تو اعلیٰ حضرت نے اس کا ایسا جواب دیا تھا کہ آج بھی وہ شعر تاریخ کے صفحات میں آپ کی حق گوئی اور بے باکی کا آئینہ دار ہے ؎

کروں مدح اہلِ دول رضؔا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

(حدائق بخشش مطبوعہ بریلی ص ۵۱)

اسی سے اندازہ لگائیے کہ جو شخص اتنا محتاط ہو اور فرمائش کے باوجود تعریف و توصیف کے الفاظ سے احتراز کرتا ہو۔ مگر اپنے شاگرد کو ہر قسم کے القابات سے نوازتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تصنیف ''رسالہ الاستمداد'' جو ۳۶۰/اردو اشعار کا قصیدہ ہے اس میں ملک العلماء کے لیے مندجہ ذیل شعر تحریر فرماتا ہو۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ایسے شخص کی عبقریت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ بہر کیف یہ تو استاد و شاگرد کی بات تھی۔ لیکن اب اس وقت کے ممتاز عالم دین مفتی شرع متین کی نظر میں ''ملک العلماء'' کا تبحر علمی ملاحظہ فرمائیں۔ فاضل بہار کی شخصیت اور علمی لیاقت بالخصوص علم ہیئت پر مکمل دسترس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت مفتی مظہر اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ شاہی امام مسجد فتح پوری دہلوی رقم طراز ہیں:

''آپ کو یہ فتاویٰ مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال کرنا چاہیے تھے۔ وہ دیوبندی فتویٰ کو ملاحظہ کر کے بڑے خوش ہوتے اور تعجب تھا کہ ان کی صفت وثنا میں کوئی رسالہ بھی تحریر فرمادیتے کہ میری نظر میں آج ہند میں اس فن میں ان کا ثانی نہیں''

(فتاویٰ مظہریہ مطبوعہ کراچی ص ۸۶)

مذکورہ فتویٰ پر حاشیہ نگاری کرتے ہوئے ماہر رضویات جناب ڈاکٹر مسعود صاحب پاکستان لکھتے ہیں:

''سمت قبلہ کے لیے قدرے انحراف کے سلسلے میں ایک فتویٰ علمائے دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ جس کا جواب مولوی بشیر احمد (مدرس مدرسہ دیوبند) نے لکھا تھا اور اس پر سید مولوی مہدی حسن (مفتی دارلعلوم

دیوبند) مولوی محمد جمیل الرحمٰن (نائب مفتی) مولوی مسعود احمد وغیرہ کی تصدیقات تھیں۔ یہ جواب ۷؍جنوری ۱۹۰۹ء کو لکھا گیا جب حضرت کے سامنے پیش کیا تو حضرت نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا۔"

(حاشیہ فتاویٰ مظہری)

مذکورہ دونوں عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ اگرچہ اس وقت لوگ ہیئت جانتے تھے لیکن مہارت نہیں تھی۔ اگر مہارت اور مکمل دسترس تھی تو ملک العلماء کو حاصل تھی۔ جبھی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ "علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔"

مندرجہ بالا پیراگراف سے ملک العلماء کی عبقریت اور علوم وفنون میں کمالِ دسترس کا اندازہ قارئین کرام کو ہوگیا ہوگا۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کیوں کہ مثل مشہور ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب" زیر نظر مضمون میں ان کا مختصر سا سوانحی خاکہ پیش کرکے ان کی دینی وملی خدمات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

سوانحی خاکہ:

حضرت ملک العلماء ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء بمقام موضع رسول پور، میجرہ ضلع نالندہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر ۱۳۰۷ھ میں والد ماجد نے تعلیم شروع کرادی۔ رسم بسم اللہ خوانی حضرت چاند شاہ مبارک کی زبان سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد مشفق کے سایہ عاطفت میں حاصل کی۔ پھر متوسطات کی تعلیم مدرسہ حنفیہ پٹنہ، دارالعلوم کان پور، مدرسہ امداد العلوم بانس منڈی کان پور، احسن المدارس کان پور میں حاصل کی۔ جب ان مدارس سے طلب علم کی تشنگی دور نہ ہوسکی۔ تو آپ تشنہ کاموں کی طرح آب

شیریں کی تلاش میں رواں دواں افتاں وخیزاں علم وفن کے بحر بیکراں کے پاس پہنچ گئے۔

جامعہ رضویہ منظر اسلام کا قیام:

اسے حسنِ اتفاق ہی کہیے کہ ملک العلماء کے دم قدم سے منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ وہ اس طرح سے کہ جب آپ بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت بابرکت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں کوئی درس گاہ (مدرسہ) نہیں تھی۔ یہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کا صلہ اور مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ اسی سال ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے چند احباب کے اصرار پر مدرسہ منظر اسلام کا قیام فرمایا۔ اور اس کا افتتاح صرف دو طالب علموں سے ہوا۔ جیسا کہ حیاتِ ملک العلماء مطبوعہ لاہور ص ۱۲ر پر درج ہے۔

> ''مولانا ظفر الدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی آ گئے تھے۔ انہیں صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔ اور انھوں نے بہار خطوط لکھ کر مدرسے کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بریلی بلایا''

گویا کہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات ''منظر اسلام'' کے لیے خشتِ اوّل ثابت ہوئی۔ مذکورہ پیراگراف سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے وہیں سے اس بات کا واضح ثبوت بھی ملتا ہے کہ منظر اسلام میں روزِ اوّل سے بہار کی بہار رہی ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری وساری ہے خدا کرے منظر اسلام کی قائم ودائم رہے۔ آمین۔

ملک العلماء نے منظر اسلام میں اپنے مشفق استاذ سے ان تمام علوم وفنون کو حاصل کیا جن کے وہ متلاشی تھے۔ شمس العلما حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب قبلہ شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف نے راقم الحروف سے دورانِ گفتگو ارشاد فرمایا کہ ملک العلماء بیان کیا کرتے تھے کہ ''اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جتنے علوم وفنون جانتے تھے ان تمام کا

وارث انہوں نے صرف مجھے بنایا۔ سبقاً سبقاً مجھے پڑھایا۔''

تکمیل تعلیم کے بعد شعبان ۱۳۲۵ھ میں فاضل بریلی کی درخواست پر شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کی درگاہ کے سجادہ نشیں حضرت مخدوم شاہ الطاف احمد قدس سرہٗ آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند تدریس وافتا مرحمت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسی سال آپ کو اپنے سلاسلِ عالیہ کی اجازت وخلافت سرفراز فرمایا۔ اور ''ملک العلماء...... فاضل بہار'' کا خطاب بھی عطا فرمایا۔

خدمات:

حضرت ملک العلماء کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دین وملت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کردی تھی۔ جب جب جہاں موقع آیا آپ نے کسی کی پرواہ کیے بغیر بلا خوف وخطر خدمت انجام دی۔ تحریر وتقریر، درس وتدریس، مناظرہ ومکالمہ، فتویٰ نویسی، وعظ ونصیحت، اس طرح کے مختلف عنوانات قائم کر کے ان کا تعارف کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہم ان کی تدریس ونصیحت اور مناظرہ کا اجمالی خاکہ پیش کررہے ہیں۔

تدریس:

حضرت ملک العلماء نے حصولِ تعلیم کے بعد اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ مادرِ علمی جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی سے کیا۔ چند سال آپ نے بڑے ذوق وشوق، محنت ولگن کے ساتھ اپنے شفیق استاذ کے زیر سایہ تدریس کا کام انجام دیا۔ پھر اپنے استاذ کے حکم پر بحیثیت خطیب و واعظ شملہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک سال کی مدت پوری کر کے اعلیٰ حضرت ہی کے حکم پر مدرسہ حنفیہ آرہ بہار حاضر ہوئے۔ تقریباً وہاں بھی آپ ایک ہی سال رہے۔ وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں صدر مدرس

کے عظیم منصب پر فائز ہوئے آپ کی صلاحیت اور قابلیت کی شہرت سن کر سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام نے اپنے مدرسے کی صدارت کے لیے آپ سے فرمائش کی۔ان کی دِل جوئی اور خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ نے صدر مدرّس کی حیثیت سے پانچ چھ سال کا عرصہ وہاں گزارا۔ پھر جب ۱۳۲۱ء میں سید نورالہدیٰ صاحب مرحوم نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو حکومت بہار کے انتظام میں دے دیا۔تو آپ اس مدرسہ میں سینئر مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ اس مدرسے کے پرنسپل نامزد ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں حسب ضابطہ مدت ملازمت مکمل کر کے سبکدوشی حاصل کی۔ (ماخوذ حیاتِ ملک العلماء)

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شاگردوں میں ایک قابل قدر ذی استعداد شاگرد جناب مولانا الحاج انعام الحق صاحب صدیقی شمسی ساکن موضع کھوپڑا پوسٹ بیلباری ضلع کٹیہار بہار سے ابھی گزشتہ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ میں راقم الحروف کی ملاقات ہوئی۔ان سے میرا نانا نواسہ کا رشتہ بھی ہے۔موصوف بہت نحیف ولاغر اور ضعیف العمر بھی ہیں اور فالج زدہ بھی ہیں۔رب قدیر انہیں صحت وتوانائی عطا فرمائے آمین۔انہوں نے آپ کے اخلاق و عادات اور دورانِ درس افہام وتفہیم اور ملکۂ تدریس کا ذکر بہت ہی حسین پیرائے میں کیا۔

پھر جب آپ جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار میں تشریف رکھتے تھے، وہاں کی ملاقات کا ایک حسین نقشہ انہوں نے میرے سامنے پیش کیا اور اپنی عقیدت ومحبت اور اظہارِ نیاز مندی کا واقعہ جو اس وقت رونما ہوا تھا، اختصار کے ساتھ سنایا۔جس سے میری معلومات میں اضافہ ہوا۔

جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کا قیام:

کٹیہار جس وقت ضلع نہیں بنا تھا بلکہ ضلع پورنیہ کا ایک بڑا سب ڈویژن تھا۔اس

وقت وہاں دارالعلوم لطیفی کا چراغ جل رہا تھا۔اس کی روشنی گرد ونواح میں پھیل رہی تھی علاقے کے لوگ مستفید ہورہے تھے۔لیکن صد حیف کہ اس میں کچھ اساتذہ دیو بندی خیال کے آ گئے۔ابتداً ان کے نظریات وخیالات کا کوئی اظہار نہیں ہوا مگر جب ان کے پیر جم گئے تو آہستہ آہستہ اُن سے صلح کلیت پھیلنے لگی۔جب یہ مرض متعدی ہوگیا تو بتدریج عقائد باطلہ کی اشاعت بھی ہونے لگی، علاقے میں وہابیت کی وبا عام گھروں تک دستک دینے لگی۔توحید کے نام پر عظمتِ انبیا واولیا کی کھلے عام تنقیص اوران کی شانِ رفیع میں گستاخی بے ادبی ہونے لگی۔نذرونیاز،میلادوقیام اور بزرگانِ دین کے اعراس پر کفروشرک کے گولے داغے جانے لگے۔غرض کہ باپ دادا کے طورطریقے اوردینی مراسم کو بدعت وحرام کہا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے دارالعلوم کے اساتذہ میں چپقلش پیدا ہوگئی۔ اراکین میں بھی اختلاف و انتشار پیدا ہوگیا۔

انہیں حالات کے پیش نظر پیر طریقت راز دار شریعت مجاہد سُنّیت حضرت علامہ سید شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں سجادہ نشیں حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ نے دارالعلوم لطیفی کے مقابل جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم قائم فرمایا اور داخلی انتظام آپ (ملک العلماء) کے سپرد کیا۔ڈاکٹر پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب رقم طراز ہیں:

’’شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میا خلف سید شاہ حمید الدین سجادہ نشیں تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) کی استدعا پر ۲۱؍شوال ۱۳۷۱ھ کو کٹیہار ضلع پورنیہ بہار میں جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کا انہوں نے افتتاح فرمایا اور صدر مدرس کے عہدے پر رونق بخشی۔صرف اس بنا پر کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی خاص آبادی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہ تھا۔

(حیات ملک لعلماص ۱۵)

جامعہ لطیفیہ کے قیام سے قرب و جوار کے تمام علاقوں کو فائدہ پہنچا۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت ہوئی، سُنّیت کو فروغ ملا، سینکڑوں گم گشتۂ راہ، صراطِ مستقیم پر آ گئے اور دینِ حق کی اشاعت پر گامزن ہو گئے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں ''جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اس علاقے میں دین کو فروغ ہوا۔ سیکڑوں طلبا وہاں سے فارغ ہو کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ بعضوں نے نئے مدارس قائم کیے۔

اس لحاظ سے ملک العلماء کا پورنیہ میں نو سالہ قیام بہت مفید رہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا لگایا ہوا پودا مضبوط و توانا ہو کر شجر بار آور ہو گیا تو ربیع الاوّل شریف ۱۳۸۰ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آ کر مقیم ہو گئے اور یہاں انہوں نے سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا۔ (ایضاً ص ۱۵/۱۶)

شاگرد:

ملک العلماء نے جتنے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اگر ان مدارس کے طلبہ کی فہرست ترتیب دی جاتی تو ایک دفتر ہوتا۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب اس بات کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''ملک العلماء سے مختلف مدارس کے جن طلبا نے علمی فیوض حاصل کیے ان کی تعداد بتانا آسان نہیں، صرف مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے متخرجین (فارغین) کی تعداد ہزار تک پہنچے گی۔ (ایضاً ص، ۱۶)

جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست تھی ان میں چند مخصوص کے نام درج ذیل ہیں۔

۱ شمس العلما حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب
سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

۲ خواجہ علم وفن حضرت علامہ مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد

۳ امام النحو حضرت علامہ مولانا بلال احمد نوری صاحب
سابق شیخ الحدیث جامع اشرف کچھوچھہ شریف

۴ حضرت علامہ مولانا عبدالرشید رشیدی صاحب
صدر مدرس مدرسہ مصطفائیہ درگاہ چمنی بازار شریف پورنیہ

5 حضرت علامہ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب طیب پوری شیخ الحدیث جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار

٦ حضرت علامہ مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب مدھوبنی صدر مدرس
وشیخ الحدیث دارالعلوم شیخ احمد کھٹو احمد آباد

۷ حضرت مولانا علیم الدین صاحب بھوپلا مالک علمی کتب خانہ بہادر گنج ضلع کشن گنج

8 حضرت مولانا طیب صاحب چوپڑا بائسی پورنیہ

9 حضرت مولانا طاہر صاحب بہتا سعدی پور بائسی پورنیہ

۱۰ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب چکلہ چندر گاؤں بائسی پورنیہ

۱۱ حضرت مولانا شہاب الدین صاحب ساکن بھینس بندھا کدوا کٹیہار

۱۲ حضرت مولانا مقیم الدین صاحب ساکن گورکھپور ضلع مالدہ بنگال

۱۳ حضرت مولانا عبداللہ صاحب اچھے پور کدوا کٹیہار

۱۴ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اچھے پور کدوا ضلع کٹیہار

15 حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اچھے پور کدوا کٹیہار

۱۶ حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بلیہار پور کدوا ضلع کٹیہار

(بروایت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی)

تصنیفی خدمات:

ملک العلماء نے تقریباً پچپن (۵۵) سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ بریلی، آرا، سہسرام، پٹنہ، کٹیہار، کے مدارس میں ہزاروں طالبانِ علوم کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔ تدریس کے ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد ستر (۷۰) سے بھی زائد ہے۔ ایسی ایسی نادر تصنیفات ہیں کہ اگر وہ طبع ہوکر منظرِ عام پر آ جائیں تو اہلِ سُنّت و جماعت کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوں، خدا کرے وہ دن جلد نصیب ہو۔

کتابوں کی تعداد اور فنون کی نشان دہی کرتے ہوئے شہزادہ گرامی وقار ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب لکھتے ہیں ''ملک العلماء کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد ستر سے زاید ہے۔ ۱۳۲۳ھ سے شروع ہوکر تقریباً اُن کی رحلت ۱۳۸۴ھ یعنی پچاس سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں لیکن زیادہ تر افادۂ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہ متعدد فنون اور موضوعات، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ ہیں اور کچھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہو چکی ہیں۔''

(حیاتِ ملک العلماء، ص ۱۷)

مناظرہ: ملک العلماء نے مختلف فرقوں کے حامیوں سے مناظرہ کیا اور اس کے لیے دور دراز کا سفر بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں: مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لیے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرہ کے لیے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کیے جاتے

تھے۔ایک مناظرہ کے لیے وہ برما بھی تشریف لے گئے۔ (حیاتِ ملک العلماء ص١٦)

ملک العلماء کے بہت سے مناظرے کی روداد کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ معلومات کے لیے ایک مناظرے کی مختصر روداد پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

١٣٢٦ھ کی بات ہے کہ علاقہ میوات میں دیو بندی مولویوں نے بڑا اودھم مچایا ہوا تھا۔ میو حضرات کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے دیو بندی مولوی جگہ جگہ علمائے اہلِ سُنّت پر تبرا بازی کرتے اور مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ ریاست الور کے اندر مولانا شاہ محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٣٥٥ھ/١٩٣٦ء) بھی جلوہ افروز تھے۔ آپ علم وعرفان کی دولت سے مالا مال اور اسلاف کی مقدس نشانی تھے، مذکورہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے مولانا محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احمد خاں رام پوری علیہ الرحمہ کو بریلی شریف بھیجا تا کہ مجدد دین وملت کسی سُنّی مناظر کو وہاں سے روانہ فرمائیں جو دیو بندی مذہب کی بے دینی کا راز طشت از بام کر دکھائے۔ چنانچہ جب وہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا تو امام اہلِ سُنّت نے مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٣٨٢ھ/١٩٦٢ء) کو طلب کیا اور فرمایا کہ علاقہ میوات، نواح فیروز پور جھر کہ میں دیو بندی مولویوں سے جا کر مناظرہ کرو۔ ان شاء اللہ فتح یاب ہو کر لوٹو گے۔ فتح کی بشارت کے ساتھ آپ نے مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ کو مدینہ شریف کا ایک بیش قیمت اونی جبہ بھی مرحمت فرمایا۔ یوں تو مولانا بہاری کو اعلیٰ حضرت اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے لیکن اللہ والے کسی خاص موقع پر جب کسی کو تبرکات سے نوازتے ہیں تو وہ ایسا راز ہوتا ہے جس کے سمجھنے سے عقل ہمیشہ قاصر رہتی ہے۔ جب مولانا ظفر الدین بہاری پہنچے تو مناظرے کے لیے کئی دیو بندی مولوی بپھرے ہوئے تھے۔ پہلے جو صاحب مناظرے کے لیے مقرر ہوئے وہ تین چار سال مکہ معظّمہ میں قیام پذیر تھے۔ اس لیے اپنی عربی دانی پر بڑا ناز

تھا۔جس کے باعث مصر رہے کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا،ان کی ناز برداری کے لیے یہ شرط مان لی گئی لیکن چند منٹ میں ان کی عربی دانی کا بھرم کھل گیا اور مجبوراً انہیں اعلان کرنا پڑا کہ اب مناظرہ اردو میں ہوگا۔ابتدائی سوالات پر ان کی علمیت کا طول وعرض بھی سب کو معلوم ہوگیا کہ مہر سکوت لگ گئی اور جواب کے لیے منہ کھولنا دشوار ہوگیا۔ثالث اور حکم نے ان سے اور دوسرے علماے دیوبند سے بار بار کہا کہ جواب دیجیے اور آئے دن جو بلبلے کی طرح ابھرتے اور چیلنج دیتے ہیں وہ جوش دکھائیے، یہ کیسی جواں مردی ہے کہ ابتدائی سوالات پر ہی سارے دیوبندی مولوی جھاگ کی طرح تہ نشیں ہوگئے اور کوئی ایک بھی بولنے کا نام نہیں لیتا۔ متواتر تین گھنٹے جواب کا تقاضا رہا لیکن ادھر جو مہر سکوت لگ چکی تھی۔اس نے کسی طرح بھی ٹوٹنے کا نام نہ لیا۔آخر ثالث وحکم نے تین گھنٹے بعد اہلِ سُنّت و جماعت کی فتح اور دیوبندی حضرات کی شکست کا اعلان کرتے ہوئے کہ دیا اب معاملہ صاف واضح ہوگیا کہ مولانا شاہ رکن الدین،مولانا ارشاد علی،مولانا ظفر الدین،اور مولانا احمد حسین وغیرہ علما حق پر ہیں اور دیوبندی علما کا مذہب باطل ورنہ لاجواب نہ ہوتے۔

جب مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو مناظرے کی ساری روداد سنائی اور یہ بھی بتایا کہ اہلِ سُنّت کی خواہش ہے کہ اس مناظرے کی ساری کاروائی ایک رسالے کی شکل میں مرتب کی جائے اور اس کی طباعت کے جملہ مصارف وہ لوگ خود برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔مجدد برحق اس بات پر بہت خوش بھی ہوئے اور فرمایا کہ اس رسالے کا تاریخی نام ''پکّے وہابیہ کا چپ مناظرہ'' (۱۳۲۶ھ) رکھنا،مولانا حسن رضا بریلوی نے اس کا تاریخی نام ''شکستِ سفاہت'' (۱۳۲۶ھ) رکھا۔ چنانچہ ساری کاروئی کو ایک رسالہ کی شکل میں اکھٹا کیا گیا اور وہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ کر کے متحدہ ہندوستان کے ہر گوشے میں بھیجا گیا۔(القول السدید،ستمبر۔۱۹۹۱ء ص ۲۰۳،۲۰۲)

حضرت ملک العلماء چلتے پھرتے مناظرہ کرلیا کرتے تھے اور اپنے حریف کو تائب ہونے پر مجبور کرتے تھے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت شمس العلما مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب علیہ الرحمہ نے راقم الحروف کو بر سبیل تذکرہ سنایا کہ ملک العلماء دورانِ درس طلبہ کو اس طرح کے واقعات اکثر سنایا کرتے تھے۔ دورانِ درس کے دو واقعات اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ راقم الحروف نے ان سے فرمائش کی کہ حضور وہ واقعات سنا دیں تاکہ میں قلم بند کروں۔ حضرت شمس العلما نے ارشاد فرمایا کہ ملک العلماء کے رشتے میں ایک ماموں جبریہ فرقے کے حامی تھے۔ حسنِ اتفاق کہ دونوں ایک شخص کے گھر مدعو تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا اور جاڑے کے دن تھے۔ صاحب خانہ نے دونوں کا بستر ایک ہی کمرے میں لگا دیا۔ دونوں آرام کرنے لگے۔ رات میں جبریہ عقیدہ رکھنے والے ماموں کو استنجا کی حاجت درپیش ہوئی جھٹ پٹ بستر سے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول کر وہ استنجا کرنے چلے گئے۔ اس اثنا میں ملک العلماء نے اندر سے دروازے کی چٹخنی بند کردی۔ جب وہ استنجا سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو دروازہ بند دیکھ کر دروازہ پیٹنے لگے، جب دیر ہوگئی تو انہوں نے ملک العلماء کو مخاطب کر کے کہا کہ: باہر ٹھنڈک شدید ہے جلدی سے دروازہ کھولیے۔ حضرت ملک العلماء نے سُنی ان سُنی کردی۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ملک العلماء نے فرمایا کہ میں لیٹا ہوا ہوں اور مجبورِ محض ہوں کیسے اُٹھ کر دروازہ کھولوں؟ ابھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہوا ہے کہ مَیں دروازہ کھولوں۔ جب اللہ کی مشیت ہوگی تو کھول دوں گا۔ بہت دیر تک جاڑے میں ٹھٹھرتے رہے اور دروازہ پیٹتے رہے اور حیران و پریشان ہوگئے۔ بالآخر انہوں نے اقرار کیا اور کہا کہ سمجھ گیا کہ انسان مجبورِ محض نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی قدرت عطا فرمائی ہے۔ مَیں اب تک گمراہی میں مبتلا تھا، آج تمہاری اس حرکت سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔

مَیں تمہارے سامنے اس بدعقیدگی سے توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔اب آپ برائے کرم دروازہ کھول دیجیے۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو حضرت ملک العلماء نے دروازہ کھول دیا۔اسی طرح سے دوسرا واقعہ شمس العلما نے سنایا کہ پٹنہ سے قریب کسی دیہات میں ایک شخص اتحاد الوجود کا قائل تھا۔ ہر چیز کو خدا سے تعبیر کرتا تھا خواہ وہ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلوق۔ ملک العلماء کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اپنے ایک دوست کو جو مجسٹریٹ بھی تھے اپنا سارا پلان بتلایا اور دن تاریخ طے کر کے اچانک دونوں اس کے پاس حاضر ہو گئے۔ جب اس نے ان لوگوں کو دیکھا تو عادت کے مطابق بلا کسی جھجھک کے کہنا شروع کیا۔

آیئے خدا، بیٹھیے خدا، کیسے آنا ہوا خدا، غرضیکہ اس نے ہر ہر بات پر ان دونوں کو خدا کہہ کر مخاطب کیا، یہ سننا تھا کہ مجسٹریٹ صاحب نے پلان کے مطابق اس پر ڈنڈا برسانا شروع کر دیا۔اتحاد الوجود کے قائل نے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے بلاقصور کیوں مار رہے ہیں۔ ملک العلماء نے جواب دیا کہ آپ نے ابھی ان کو خدا کہہ کر مخاطب کیا تھا، لہٰذا آپ کا خدا آپ کو مار رہا ہے، اس میں اعتراض کی کیا بات ہے......مجسٹریٹ صاحب نے کہا جب مَیں بقول تمہارے خدا ہوں اور تم کو مار رہا ہوں تو تم کو انکار کرنے کا کوئی حق نہیں، اگر مجھ سے گریز کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ مجسٹریٹ صاحب کی اس بات سے وہ بہت زیادہ شرمندہ ہوا اور اپنی بدعقیدگی سے تائب ہوا۔حضرت ملک العلماء کی شانِ رفیع میں یہ شعر پیش کرتے ہوئے اپنا مضمون ختم کرتا ہوں ؎

اُن کا سایہ اک تجلّی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا جشن صد سالہ نمبر (آخری قسط) ۲۰۰۴ء ص ۱۶۷ تا ۱۶۸)